



۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
VERSION

لیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

www.ziaaraat.com

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



زندگی

اخلاق کے ساء میں

— تحریر: —

آیۃ اللہ نامہ مکارم بشیرازی

— ترجمہ: —

سید وزیر حسن رضوی



Alfaal

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کہاں کیا ہے

پہلا باب اخلاق و تربیت

| | |
|--------------------------------|----|
| بد اخلاقی ایک طرح کی بیماری ہے | ۱۳ |
| تذکیرہ نفس یا جہاد اکبر | ۱۵ |
| سعادت و خوش بختی | ۱۷ |
| سعادت روحانی ہے یا جسمانی | ۱۸ |
| فردی و سماجی اخلاق | ۲۲ |
| اخلاقی امراض کے معالجہ کی راہ | ۲۵ |
| تحفظ اخلاق | ۲۷ |

دوسرا باب چار اخلاقی اصول قدماء کے نزدیک

| | |
|--|----|
| تحقیق و تنقید | ۳۰ |
| معیار اخلاق نیک و بد | ۳۲ |
| رہبانیت اور گوشہ نشینی کے اثرات اخلاق پر | ۳۵ |
| حامیان رہبانیت کی دہلیں | ۳۶ |
| مضرات گوشہ نشینی و رہبانیت | ۳۸ |
| استثنائی موارد | ۵۳ |
| مراقبہ اور محاسبہ | ۵۴ |

تیسرا باب تہذیب اخلاق کی راہ میں پہلا قدم

| | |
|-------------------|----|
| اصلاح زبان و بیان | ۶۱ |
| تیسرا قدم گناہ | ۶۲ |
| خاموشی اور سکوت | ۶۵ |

| | |
|-----------|-------------------------------------|
| نام کتاب: | زندگی اخلاق کے سائے میں |
| تحریر: | آیتہ اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ |
| ترجمہ: | سید وزیر حسن رضوی |
| ناشر: | نور اسلام - المبارہ فیض آباد |
| کتابت: | حسن انتر لکھنؤ |
| سرورق: | ابوالفضل حامد حسن، لکھنؤ |
| تعداد: | ایک ہزار |
| سن اشاعت: | ۱۹۸۶ء |
| مطبوعہ: | جوہی آرٹ پرنٹس |

قیمت
دس روپے

چوتھا باب سچائی

| | |
|---|----|
| سچائی کی اہمیت اور منزلت | ۷۳ |
| سچائی کے اعجاز نما آثار | ۷۵ |
| جھوٹ گناہوں کی کنجی | ۷۶ |
| جھوٹ اور ایمان میں تضاد | ۷۸ |
| جھوٹا انسان اپنے اور پر بھی اعتماد نہیں رکھتا | ۸۱ |
| جھوٹ کا سرچشمہ | ۸۲ |
| جھوٹ سے بچنے کے ذرائع | ۸۳ |
| جھوٹ کے استثنائی موارد | ۸۸ |
| تور یہ کیا ہے ؟ | ۹۰ |
| تور یہ کی تازہ ترین تفسیر | ۹۲ |

پانچواں باب غیبت

| | |
|--|-----|
| غیبت کے اہم ترین محرکات | ۹۵ |
| خطرات غیبت | ۹۷ |
| غیبت کا فساد زنا سے شدید تر ہے | ۱۰۰ |
| غیبت عبادات کی قبولیت میں مانع ہے | ۱۰۱ |
| غیبت انسان کو شیطان سے قریب کر دیتی ہے | ۱۰۳ |
| غیبت کے انفرادی و اجتماعی مفسد | ۱۰۷ |
| دائرہ غیبت اور اس کے حدود | ۱۰۹ |
| غیبت کے مستثنیٰ موارد | ۱۱۳ |
| کھلا ہوا فاسق کون ہے ؟ | ۱۱۵ |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بطور مقدمہ

اس کتاب میں
کیا تلاش کر رہے ہیں؟

عالمی پریشانیاں
ظلم و ستم اور جنگ ہی قسربانیاں
گھریلو تعلقات: روز بروز بڑھتی ہوئی کشیدگی
ہم سب اس حقیقت کے سچے گواہ ہیں کہ دنیا کے موجودہ قوانین، جو
اپنی تمام کوششوں کے ساتھ فلاح و بہبود کو تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن ان تمام
کوششوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بلکہ روزانہ باہمی میں اضافہ
ہوتا جا رہا ہے۔

غیبت کے کتب تک ان فرسودہ قوانین کو آزایا جاتا رہے گا۔ یہ قوانین خود
اپنے سربراہوں کی حمایت سے قاصر ہیں چہ جائیکہ یہ دوسروں کے سلسلے میں کوئی
کام انجام دیں۔

یہ قوانین گہرے کنوئیں کی طرح ہیں جہاں پتھر کا ایک بڑا ٹکڑا آجاتا ہے اس

پتھر کو توڑنے کی جتنی کوشش کی جاتی ہے، سب ناکام ہوتی ہے اور اس سلسلے میں جتنی بھی کوشش کی جائے سب رائیگاں جائے گی اور نیکان کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اور پانی کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔

دیکھنا یہ چاہئے کہ کئی کہاں ہے اور وہ نقص کیا ہے جس کی بنا پر کوششیں رائیگاں ہو رہی ہیں۔ اس کئی کو تلاش کرنا چاہئے اس کی تشخیص کرنا چاہئے اور اس کا حل تلاش کرنا چاہئے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قوانین ان دواؤں کی طرح ہیں جن کا استعمال صرف خارجاً ہے اور ان کا اثر بھی سطحی ہے۔ یہ قوانین انسان کے ضمیر پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہوتے تاکہ اس کی قوتوں کو یکجا کر کے درو کا درماں کر سکیں۔

کون سا قانون ان سرمایہ داروں کو فقیروں اور غریبوں کی حمایت پر آمادہ کر سکتا ہے جو اپنا گرانٹ در سرمایہ اپنی "بلیوں" کے نام و صیت کر جاتے ہیں تاکہ بلیوں کے لئے آسائش و آرام کے لئے بہترین جگہیں تعمیر کی جائیں۔ کون سا قانون ان لوگوں کے جذبات کو غریبوں کی طرف موڑ سکتا ہے۔

کون سا قانون ان لوگوں کو انسان دوستی پر آمادہ کر سکتا ہے جو کروڑوں روپے کی نایت کا، میرا آدیناں کے لئے رہتے ہیں اور لاکھوں روپے صرف کر کے ہڈانے ٹھکٹ خرید کر اپنے گھر کے ایک کونے میں سجاتے ہیں۔ کون قانون ان لوگوں کو جذام کے لاکھوں مریضوں کے علاج کی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور ان کے دلوں میں لاعلاج مریضوں کی محبت

بیدا کر سکتا ہے۔

کون سا قانون انسان کی سرکشی اور تجاؤز کو کنٹرول کر سکتا ہے اور اس کی طاقتوں کو تخریب کے بجائے تعمیر پر لگا سکتا ہے۔

کیا ان قوانین میں اتنی صلاحیت ہے کہ انسان کی روح اور ضمیر کو متاثر کر سکیں اور اس میں انقلاب برپا کر سکیں؟ ظاہر ہے کہ موجودہ قوانین میں سے کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں ہے۔

یہاں وہ منزل ہے جہاں "اخلاق" کی ضرورت ابھر کر سامنے آجاتی ہے، یہاں وہ حقیقت ہے جو دیو پیکر امواج کی طرح تمام رکاوٹوں کو عبور کر لیتی ہے، خلاؤں کو پار کرتی ہوئی انسان کے ضمیر کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور ایسا انقلاب برپا کرتی ہے کہ انسان کو حیوان کی صف سے نکال کر واقعی انسان بنا دیتی ہے۔

— وہ انسان جو دوسروں کے رنج و غم میں شریک ہے

— وہ انسان جو اپنے اور دوسروں کے فائدے کو ایک

نگاہ سے دیکھتا ہے۔

— وہ انسان جو اپنا آرام دوسروں کی مشکلات اور

مصائب میں تلاش نہیں کرتا۔

— وہ انسان جس کی وسعت فکر و نظر اس بات کا سبب

ہوتی ہے کہ وہ ظلم و ستم، تنگ نظری و تعصب اور انقستامی

کارروائی سے دور رہتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے

ساتھ مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر طرف

اچھائیاں ہی اچھائیاں اور نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں۔

ہاں۔ اخلاق کو زندہ کرنا چاہئے اور اس حقیقت سے دوسروں کو روشناس کرانا چاہئے۔ یہ کتاب اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ہے اور اس کی تالیف میں اسلام کے عظیم ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ناصر مکارم شیرازی
متم۔ حوزہ علیہ

اخلاق و تربیت

- بَدَا اخْلَاقِي اِيك طَرَحِي بِيْمَارِي هَي
- تَزْكِيَةُ نَفْسٍ يَأْبُهَادِ اِكْبَرٍ
- سَعَادَاتٌ وَفَوْشٌ بَخْتِي
- سَعَادَاتٌ رُوْحَانِي هَي يَاجِسْمَانِي
- فَرْدِي وَسَبَاحِي اِخْلَاقِ
- تَحْفَظْ اِخْلَاقِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَبِهٖ نَسْتَعِیْنُ

اخلاق و تربیت

کیا تربیت انسانوں کے اخلاق اور معنویت کو تبدیل کر سکتی ہے یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جو علم اخلاق کی ضرورت اور اہمیت کو روشن کر دیتا ہے۔ اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ لوگوں کے اخلاق اور روحانیت کا تعلق ان کے جسم و روح کی بناوٹ اور خلقت سے ہے تو اس صورت میں علم اخلاق کا کوئی فائدہ اور مصدقہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ہم اس بات کے قائل ہوں کہ انسانوں کے اخلاق تربیت سے بدل سکتے ہیں تو اس علم کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

بعض مفکرین نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور معتقد ہیں کہ جس طرح وہ درخت جن کے میوے تلخ ہیں، باغبان کی تربیت اور توجہ سے اپنی اہمیت کو بدل نہیں سکتے بلکہ ان کے میوے ہر حال میں تلخ ہی ہوتے ہیں، اسی طرح بد اخلاق اور بد خو لوگ تربیت کی بنا پر اپنی روح اور اخلاق کو بدل نہیں سکتے اور اگر معمولی سی تبدیلی پیدا بھی ہوگی تو وہ وقتی اور ناپائیدار ہوگی اور پھر وہ اپنی اصلی حالت کی طرف پلٹ جائیں گے (وہ لوگ کہتے ہیں) انسان کی جسمانی بناوٹ اور اس کے اخلاق کے درمیان بہت گہرا ربط ہے اور دراصل ہر شخص کا اخلاق اس کی خلقت جسم و

تیبیتون الذی

- کہ فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ
- فی لیبونہ فی لیبونہ فی لیبونہ

روح کے تابع ہے لہذا انسانوں کا اخلاق قابل تبدیلی نہیں ہے۔ شاہد کے طور پر روایات مثل — الناس معادن كسعادن الذهب والفضة — ”لوگ سونے اور چاندی کی کان کے مانند ہیں“ کو پیش کرتے ہیں۔

اس طرز فکر کے مقابلے میں اکثر مفکرین کا قول ہے جو معتقد ہیں کہ انسانوں کے اخلاق اور ان کی روحانیت تربیت کے ذریعے پوری طرح تبدیل ہو سکتی ہے بے شمار تجربات جو فاسد الاخلاق افراد پر ہوئے ہیں انہوں نے اس حقیقت کو ابھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ صحیح ماحول اچھی صحبت اور بہترین تربیت کی بنا پر بہت سے برے اور بدکردار لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام آسمانی پیغامات جو انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کے ذریعے بھیجے گئے، بے کار اور مہمل ہوتے کیوں کہ ان کا مقصد انسانوں کا تزکیہ نفس تھا۔ اور اسی طرح وہ تمام مزاہیں جو اخلاق و ادب کے لئے دی جاتی ہیں اور دنیا کی تمام اقوام میں رائج ہیں بے فائدہ اور غیر معقول ہوتیں۔

ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ وحشی جانوروں اور درندوں تک کو رام کر لیا جاتا ہے اور ان کی خلقت کے برعکس ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم کیونکر یقین کر لیں کہ بد اخلاقی انسان کے اندر درندوں کی درندگی سے زیادہ بنیادی اور محکم ہے۔

ہماری نظر میں اس دعوے کے ثبوت کا بہترین راستہ یہ ہے کہ ہم تلاش کریں کہ ملکہ اخلاق کیسے حاصل ہوتا ہے اسی سے اس کے مفقود ہونے کا راز بھی خود بخود روشن ہو جائے گا۔

ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ ہر اچھلایا برا عمل اپنا جیسا نقش انسان کی روح پر چھوڑ جاتا ہے اور انسان کی روح کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور اس عمل کی تکرار

اس کے نقش کو ابھارتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ اس انسان میں اس عمل کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور مزید تکرار عادت کو ملکہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کا باطنی میلان بڑھتے بڑھتے جب عادت اور ملکہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اعمال کی انجام دہی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے تجربے کی دنیا نے ثابت کر دیا ہے پس جس طرح تکرار عمل کی بنا پر عادات و ملکات اخلاقی حاصل ہوتے ہیں اسی طرح تکرار عمل کے ذریعہ زائل بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی پہلے عمل۔ پھر تکرار، اس کے بعد صفت یا ملکہ اخلاقی کی تشکیل۔

البتہ وعظ و نصیحت، غور و فکر، صحیح تعلیمات اور اچھا ماحول انسان کی روح کو اخلاق حسنہ کی طرف آمادہ کرنے میں کافی موثر ہے۔

بد اخلاقی ایک طرح کی بیماری ہے

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انسان تمام جانداروں میں سب امتیازی حیثیت کا مالک ہے کیونکہ اس کا وجود متضاد صلاحیتوں کا مجموعہ ہے ایک طرف اس کی نفسانی خواہشات اور حیوانی آرزوئیں ہیں جو اسے سرکش، تجاوز عیش پسندی، جھوٹ اور خیانت وغیرہ کی طرف دعوت دیتی ہیں، اور دوسری طرف قوت عمل و ادراک اور ضمیر انسانی ہے جو اسے عدل و انصاف، محبت و الفت اور پاک دامنی و صداقت، امانت داری و پرہیزگاری کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ان متضاد قوتوں کی کش مکش تمام انسانوں میں موجود ہے اور ان طاقتوں کی کامیابی طاقت مخالف کے مقابلے میں اس بات کا سبب بنتی ہے کہ کبھی انسان اخلاقی بلندیوں کو حاصل کرتے کرتے مقرب فرشتوں سے افضل قرار پا جائے۔ اور کبھی نفسانی خواہشات اس کی عقل پر غلبہ پاتے پاتے اسے خطرناک درندوں سے بھی پست تر بنا دیتی ہیں۔

بہت سی حدیثوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت علیؑ کا ارشاد کہ

ان الله خصّ الملك بالعقل دون الشهوة والغضب وخصّ
الحيوانات بهما دونه وشرّف الإنسان باعطاء الجميع
فان انقادت شهوته وغضبه لعقله صار افضل من
الملائكة لوصوله الى هذه الرتبة مع وجود
المنزاع“ (جامع السعادت جلد ۱ ص ۲۴)

یعنی۔ ”خداوند عالم نے فرشتوں کو صرف عقل سے نوازا بغیر غضب اور
شہوت کے اور حیوانات کو صرف غضب اور شہوت عطا کیا بغیر عقل کے
لیکن انسان کو ان تمام چیزوں سے مشرف فرمایا۔ لہذا اگر انسان شہوت و
غضب کو اپنی عقل کے تابع قرار دے گا تو فرشتوں سے افضل و تترار
پائے گا، کیونکہ قوت مخالفت کے باوجود اس نے اپنے کو اس منزل پر پہنچایا“

لیکن یہاں اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ انسان کی نفسانی خواہشات اور آرزوئیں
اگر اعتدال کی منزل میں ہوں، نہ صرف مضر نہیں ہیں بلکہ ضروری اور ذریعہ ہیں زندگی کی بقا اور
روام کا۔ (دوسرے لفظوں میں) جس طرح انسان کے جسم کے اندر کوئی عضو بے کار اور بے ضرر
نہیں بنایا گیا ہے اسی طرح انسان کی رُوح کے اندر بھی کوئی غیر ذرا اور آرزو ایسی نہیں
ہے جو اس کی زندگی کے لئے ضروری نہ ہو۔ البتہ ان قوتوں کا بے جا استعمال یا اعتدال سے
خارج ہو جانا انسان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قوت غضب
انسان کی زندگی کے لیے کس قدر ضروری ہے جو قابل انکار نہیں ہے جس وقت کسی
انسان کے حقوق پامال کیے جا رہے ہوں۔ اس وقت یہی قوت غضب انسان کو اپنے
حقوق واپس لینے پر آمادہ کرتی ہے ورنہ انسان اگر سستی سے کام لے اور اپنے

پورے وجود کو مجسم غیظ و غضب بنا کے نہ پیش کرے تو اپنے حقوق ظالم و غاصب کے پیچھے
سے نہیں محاسل کر سکتا۔ لیکن یہی غیظ و غضب اگر اپنے مرکز سے منحرف ہو جائیں اور
عقل کو اپنا حاکم نہ قرار دیں تو یہی قوتیں انسان کو درنگی کی اس منزل پر پہنچا دیتی ہیں کہ
وہ اپنے کو حیوان سے بدتر بنا لیتا ہے اور اس کی غارتگری کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔
اسی طرح انسان کی آرزو مقام و ثروت کے بارے میں اگر حد کے اندر اور معتدل
ہو تو بہترین ذریعہ ہے انسان کی ترقی کا، اور یہی قوت انسان کو حصول مقام و ثروت
کے لئے خار دکرتی ہے، لیکن اس قوت کے مفاسد بھی واضح ہیں۔ اگر حد اعتدال سے
بڑھ جائے تو یہی انسان کو جاہ طلب اور ثروت کا پھجاری بنا دیتی ہے۔

جس طرح اعضائے جسم کا عدم اعتدال انسان کو مریض بنا دیتا ہے اور نظام جسم
درہم برہم ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی قوتوں کا عدم اعتدال بھی رُوح کے لئے بیماری
کا سبب بنتا ہے جسے علماء اخلاق بیماری قلب کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح اصل میں قرآن مجید
سے لی گئی ہے جس نے منافق کے نفاق کو مرض کہا ہے،

فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضاً (بقوہ آیت ۱۰)

”ان کے دلوں میں ایک طرح کی بیماری ہے اور خداوند عالم نے (ان کی
بد اعمالیوں کی بنا پر) ان کی بیماری میں اور اضافہ فرمادیا“

تزکیہ نفس یا جہاد اکبر

اسلام کے نزدیک تزکیہ نفس یعنی نفس کا بڑائیوں سے پاک کرنا اتنا ہی اہم ہے
کہ اسے جہاد اکبر کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور یہ تعبیر پیغمبر اکرمؐ کی مشہور حدیث سے لی گئی ہے
جس میں آپؐ نے اپنے اصحاب سے جو کسی جنگ سے واپس ہوئے تھے فرمایا۔

مرحبا بقوم قضا الجهاد الاصغر وبقی علیہم الجهاد
الاکبر فقیل یا رسول اللہ ما الجهاد الاکبر قال
جهاد النفس۔

” مبارک باد ہے اس قوم کے لئے جنہوں نے جہاد اصغر کو انجام دیا اور
جہاد اکبر ان کے لئے ابھی باقی ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! (۳۱)
جہاد اکبر کیا ہے، آپ نے فرمایا خواہش نفس کے مقابلے میں جنگ کرنا۔“

(وسائل الشیعہ، کتاب الجہاد)

یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے حدیث نے اپنی کتابوں میں تہذیب اخلاق کی بحثوں
کو کتاب جہاد کے اندر ذکر کیا ہے۔ اور اسے جز جہاد جانا ہے، اور بعض احادیث کے آخر
میں یہ جملہ بھی موجود ہے:

” ان افضل الجہاد من جاہد نفسه الذی بین جنیہ“
” بہترین جہاد خواہشات نفسانی سے جنگ کرنا جو انسان کے سینے کے اندر ہے۔“

اس بیان کے بعد اچھی طرح یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اس
زندگی بخش اصول کے بارے میں کس نظریہ کا مالک ہے اور اس علم کے بارے میں مطالعہ
اور تحقیق کے بعد ان سائل ذیل کا انکشاف ہوتا ہے۔

(۱) انسان کا وجود متضاد قوتوں پر مشتمل ہے جو ہمیشہ برسرِ پیکار ہیں اور انسان
کی سعادت یا بدبختی انھیں قوتوں کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔

(۲) اس جہاد کو جہاد اکبر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسا جہاد دائمی اور ابدی ہے
جس کے لئے کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ نفس سے جہاد ایک جنگ
داخلی ہے اور داخلی جنگ بہر حال خارجی جنگ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے
اور نفس کے مقابلے میں شکست کا نتیجہ سوائے شہادت اور بدبختی کے کچھ

نہیں ہے حالانکہ دشمن خارجی کے مقابلے میں جہاد ظاہری شکست کے
باوجود افتخار شہادت کا حامل ہے۔ دوسرے نفلوں میں یوں کہا جائے کہ جو
جہاد دشمن خارجی کے مقابلے میں ہے اس میں شکست واقعی کا تصور ہی نہیں ہے
بعض جہاد نفس اور جنگ داخلی کے یہاں شکست کا احتمال بہت زیادہ ہے۔

(۳) یہ جہاد اگرچہ انسان کے لئے بہت سنگین اور تکلیف دہ ہے لیکن انسان کی
سعادت ابدی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے اور ترقی و تکامل اسی وقت حاصل

ہوتا ہے جب دو متضاد طاقتیں برسرِ پیکار ہوں۔ جب تک ہاں اور نہیں میں
کشاکش نہیں ہوتی اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ انسان جب تک
حوادث و مشکلات سے ٹکر نہیں لیتا اس وقت تک سورا اور بہادر نہیں بنتا۔ جیسا
کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ ”جنگلی اور صحرائی درخت جو ہمیشہ طوفان و بادِ مخالف
کا شکار رہتے ہیں ان کی لکڑیاں بھی کافی مضبوط ہوتی ہیں اور جلنے میں بھی دیر پا
ہوتی ہیں“ اسی سے ان متضاد قوتوں کی خلقت کے مصالحہ موم ہوتے ہیں۔
اور نفسانی خواہشات کی خلقت کا راز بھی آشکارا ہو جاتا ہے۔

(۴) دشمن ظاہری اور خارجی کے مقابلے میں جہاد ممکن ہے۔ اغراض مادی یعنی حصول غنیمت
یا شہرت کے لئے ہو لیکن جہاد نفس ہمیشہ حصول کمال و سعادت ہی کے لئے ہوگا
اور اس کی کامیابی انسان کی بلندیِ ہمت، ارادے کی تقویت اور بلندیِ ایمان و
بزرگی شخصیت کی علامت ہوگی۔

سعادت و خوش بختی

علمائے اخلاق نے علم اخلاق کا اصلی مقصد سعادت اور خوش بختی جانا ہے جس کی
تلاش میں دنیا کے تمام ہی انسان حیران و سرگرداں ہیں اور اس کے عدم حصول کی بت آپر

اکثر لوگ رنجیدہ اور پریشان نظر آتے ہیں۔

سعادت کیا ہے؟

سعادت کی تعریف مختصر لفظوں میں یوں کی جاسکتی ہے۔ ہر ممکن کمال تک پہنچنا جس کی صلاحیت انسان کے اندر موجود ہے اور دوسرے لفظوں میں: ان مختلف ادوی و معنوی صلاحیتوں سے بہرہ برداری جو انسان کے اختیار میں ہیں۔

لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ سعادت کا کلی مفہوم جس قدر روشن اور واضح ہے اس کے جزئیات و مصادیق اتنے ہی زیادہ مبہم اور پیچیدہ ہیں اور زیادہ تر لوگ راہ سعادت حاصل کرنے میں اشتباہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دولت مند شخص جس نے اپنی پوری عمر دولت و ثروت جمع کرنے میں صرف کی ہے وہ اپنے کو اسی دولت و ثروت کے انبار کی بنا پر خوش بخت اور سعادت مند سمجھتا ہے حالانکہ اسی کا بیٹا اپنی سعادت مندی اس بات میں سمجھتا ہے کہ اس جمع شدہ دولت کو اپنی خواہشات کی آگ بجھانے میں صرف کرنے۔ جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ یہ دونوں اشتباہ کا شکار ہیں۔

لہذا ضروری ہے کہ عقل کو بروئے کار لاکر تجزیہ و تحلیل کے بعد صحیح نتیجے تک پہنچا جائے کہ انسان کی سعادت کا راستہ کون سا ہے اور کس طرح خداداد ادوی و معنوی صلاحیتوں سے صحیح فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کی صحیح معرفت بغیر مطالعے اور غور و فکر کے ممکن نہیں ہے۔

سعادت روحانی ہے یا جسمانی؟

بعض یونانی فلاسفہ قدیم مثل (کلیون) معتقد تھے کہ سعادت کا تعلق صرف روح اور معنویت سے ہے مادی و جسمی کمالات انسان کو ذرہ برابر بھی سعادت مند و خوش بخت

نہیں بنا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ راہ سعادت کو تنہا منحصر جانتے ہیں اخلاقی فضائل اور معنوی کمالات کے حصول پر۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سعادت کامل انسان کے لئے اس ذیائے مادی میں ممکن ہی نہیں ہے۔ جب تک روح کا تعلق اس مادی اور کثیف جسم سے ہے سعادت حقیقی سے محروم رہے گی، صرف اسی وقت حقیقی سعادت ممکن ہے جب یہ روح جسم سے جدا ہوگی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ سعادت حاصل کرنے کے لئے تمام مادی چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے، جیسا کہ (دیوجانس) کے حالات سے معلوم ہوتا ہے جو مشہور حکیم تھا، (کلیون) کا، وہ بجائے گھر اور کمرے کے ایک صحرا میں زندگی بسر کرتا تھا۔ مادی وسائل میں سے اس کے پاس صرف ایک پانی پینے کا برتن تھا۔ اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ ایک دن اس نے دیکھا کہ نہر میں کوئی لہتہ سے پانی پی رہا ہے، اس نے اس برتن کو بھی دور پھینک دیا۔

اس کے مقابلے میں ایک اور مکتب فکر ہے جو سعادت کو بغیر کسی قید و شرط کے حصول مادہ اور لذت مادی جانتے ہیں چاہے وہ کسی راستے سے بھی حاصل ہو اور کسی قاعدے، قانون اور شرع و شریعت کے پابند نہیں ہیں، ہر قانون کو محکوم قرار دیتے ہیں۔

سعادت کلی ان لوگوں کی نظر میں صرف مادی لذتوں کے حصول کا نام ہے اور اس کو حاصل کرنے میں یہ لوگ دیوانہ وار آگے بڑھتے جاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کسی اخلاقی و اجتماعی قانون کی پروا نہیں کرتے بلکہ سارے آداب پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

یہ بات روشن ہے کہ یہ طرز فکر جسے غریبوں اور غربت زدہ ممالک نے اپنا رکھا ہے اور اسے روز بروز وسعت دیتے جا رہے ہیں، اسے مکتب یا فلسفہ نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ ایک

طرح کا جنون اور قلبی بیماری ہے۔ لیکن جو کچھ بھی ہے دراصل عکس العمل ان تندرو اور افراطی مکتبوں کا جسے "کلبیوں" جیسے لوگوں نے اپنا رکھا تھا کہ انہوں نے جبینہ مادی اور جسمی کو سعادت سے بالکل الگ کر دیا تھا۔

مکتب میانہ

چونکہ انسان تنہا روح یا تنہا جسم نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت دونوں چیزوں سے مرکب ہے اس لئے سعادت کو بھی دونوں حصوں میں تلاش کرنا چاہیے اور یقیناً جو مکتب انسان کے صرف ایک جز کی طرف توجہ دے گا وہ سعادت انسان کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسا مکتب واقعی دنیا میں قابل عمل نہیں ہے۔ اور جسم اور مادہ کے مقدمہ اور روح کے ذوال مقدمہ یعنی جسم و مادہ زمینہ ہیں اصل مقصد یعنی روح کی ترقی کے لئے۔ اسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔

فلاسفہ و یونان میں معلم اڈل ارسطو اور اس کے پیرو اسی نظریہ کے مالک تھے اور اسلام کی عالی تعلیمات کھل کر اس مکتب کی تقویت کرتی ہیں اور اس مکتب کے لئے نئے اصول پیش کیے ہیں؛ یہ حقیقت قرآن مجید کی متعدد آیتوں اور رہبران اسلام کے بیانات میں بخوبی آشکار ہے اور اسلام کا شعار اس موضوع میں اس آیت کے اندر موجود ہے۔

فمن الناس من يقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنة
وماله فی الآخرة من خلاق ومنهم من يقول ربنا
اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقتنا
عذاب النار اولئک لهم نصیب مما کسبوا
والله سریع الحساب ط

(البقرة آیت ۲۰۰-۲۰۱)

"بعض لوگ کہتے ہیں پلنے والے ہمیں دنیا میں نیکی مرحمت فرمائیں

آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ
معبود ہمیں دنیا و آخرت دونوں میں نیکی مرحمت فرما اور ہمیں عذاب دوزخ
سے محفوظ رکھنا۔ یہ لوگ اپنے اعمال کی جزا پائیں گے اور خدا دوزخ عالم
بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔"

ان بحثوں میں اس نکتے کی طرف پوری توجہ ہونی چاہئے کہ جسم و روح کے درمیان بہت
قریبی اور گہرا ارتباط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک میں معمولی سا اخراج دوسرے
پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

علم نفسیات نے آج یہ ثابت کر دیا ہے کہ بعض اخلاقی اور فکری اخراج کا سبب
مادی و فطری خواہشات کی تشنگی ہوتی ہے۔ فطری خواہشات و تقاضوں کی تشنگی و آکامی
کی بنا پر بھی انسان کی روح میں ایک گرہ پڑ جاتی ہے اور اس طرح کے نفسیاتی عقدے
علماء اخلاق کے لئے ایک بڑی مشکل بن جاتے ہیں اور اس گرہ کا کھولنا ان طریقوں سے
جو علماء اخلاق نے تزکیہ نفس کے لیے معین کیا ہے عام طور پر ممکن نہیں ہوتا بلکہ اس کا علاج
اسی راستے سے ممکن ہے جس سے یہ گرہ پڑی ہے۔ یعنی جسمانی تقاضے صحیح طور پر
پورے ہوں۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ان خواہشات کی عدم تسکین کی بنا پر ناپائیدار "خون"
حد ضرور و بکتر اور کینے جیسے برے صفات کا مرکز بن جاتے ہیں، لہذا آج تمام
علمائے اخلاق کو چاہئے کہ وہ تربیت روح کے لئے جسم اور روح دونوں کے حالات
کو نظر میں رکھیں، تاکہ انھیں کامیابی حاصل ہو سکے۔
اسلام نے واضح طور سے اس اہم مسئلے کے بارے میں بھی رہنمائی کی ہے اور
قرآن مجید کا صاف اعلان ہے:

قل من حرم زینة الله التي اخرج لعباده

والطیبات من الرزق قل ہی للذین آمنوا فی
الحیوة الدنیا۔
(اعراف ۳۲)

”اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کس نے پاکیزہ رزق اور الہی نعمتوں کو تم پر حرام قرار دیا ہے جبکہ ان چیزوں کو اس نے اپنے بندوں ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ یہ نعمتیں ایمان والوں کے لئے ہیں اس دنیاوی زندگی کے لئے۔“

اس آیت کریمہ میں لفظ عباد اور جملہ والذین آمنوا اور زینت کی اضافت اللہ کی طرف توجہ اور فکر کی طالب ہے۔

علیؑ کے کلمات قصار کے اندر ارشاد ہے: —

للمؤمن ثلاث ساعات فساعة تناسح فیھا ربہ وساعة
یرم معاشہ وساعة یخلى بین نفسه و بین لذاتها
فیما یجمل ویجمل اور بعض روایات میں یہ جملہ بھی مذکور ہے:
وذلاک عون علی سائر الساعات۔

”مومن کے رات و دن کا پروگرام تین حصوں پر منقسم ہے ایک حصہ اپنے خالق سے راز و نیاز سے مخصوص ہے، دن کے دوسرے حصے میں اپنی ضروریات زندگی اور معاش کی فکر میں رہتا ہے، اور تیسرا حصہ وہ ہے جس میں وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے محفوظ ہوتا ہے اور یہ حصہ اس کی زندگی کے تینوں شعبوں کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔“

فردی و سماجی اخلاق

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ تمام اخلاقی اصولوں کی بازگشت انسان کی سماجی اور اجتماعی

زندگی کی طرف ہے اور اگر سماج یا معاشرہ کا وجود نہ ہوتا اور ہر شخص تنہا تنہا زندگی بسر کرتا اسے دوسروں کی کوئی تجربہ ہوتی تو اس صورت میں اخلاق بے معنی ہوتا۔

کیونکہ رشک و حسد، تکبر و انکساری، خوش فہمی و عدالت، ظلم و پاکدامنی، سخاوت و بخل وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق صرف انسانوں کی سماجی اور اجتماعی زندگی سے ہے جس میں لوگوں کے درمیان ارتباط برقرار ہو۔ لہذا وہ انسان جو سماج سے الگ ہے اس شخص کے ساتھ ہوگا جو اخلاق سے دور ہو، بلکہ انسان سماج سے دور ہے وہی اخلاق سے بھی دور ہوگا۔

لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سے روحانی و اخلاقی کمالات اور اسی طرح بہت سے روحانی و اخلاقی امراض معاشرے کی دین ہیں، جو غیر سماجی زندگی میں حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن ایسا قطعاً نہیں ہے کہ انفرادی زندگی میں اخلاق کا کوئی مفہوم نہ ہو، کیونکہ بہت سے اخلاقی اصول ایسے بھی ہیں جن کا تعلق صرف فرد اور انفرادی زندگی سے ہے۔ مثال کے طور پر جیسے صبر و جزع مصیبت کے وقت، بہادری اور بڑی حوادث کے مقابلے میں، سستی و استقامت مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنے خالق کے بارے میں توجہ یا غفلت اس کی نعمتوں کے مقابلے میں شکر یا کفران نعمت وغیرہ جسے علماء اخلاق نے اپنی اخلاق کی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں بحث کی ہے اور اسے فضائل یا ردائل اخلاقی کا جزو جانا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو اس انسان پر بھی صادق آتے ہیں جو معاشرے سے بالکل الگ زندگی بسر کرتا ہو۔

اس بحث کے بعد اخلاق کی تقسیم، اخلاق فردی اور اخلاق اجتماعی پر صبح اور رات ہے۔ البتہ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اخلاق اجتماعی کا پتہ علم اخلاق میں کافی سنگین اور بھاری ہے اور انسان کی شخصیت کا دار و مدار زیادہ تر سماجی اخلاق پر ہے اگرچہ اخلاق فردی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اشتباہِ عظیم

ایک دوسرا نکتہ جس کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ جو لوگ تہذیبِ اخلاق اور تزکیہ نفس کے لئے معاشرہ سے کنارہ کشی اور انفرادی زندگی کو ضروری تصور کرتے ہیں وہ لوگ سخت اشتباہ کا شکار ہیں کیونکہ وہ لوگ اخلاقِ اجتماعی کا سرے سے انکار کرنا چاہتے ہیں، اور یہ گوشہ نشینی اور کنارہ کشی اگرچہ بعض برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے لیکن اس کو فضیلت حساب نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اس کے مانند ہے کہ جیسے کوئی شخص جنسی برائیوں سے بچنے کے لیے اپنے کو عضو تناسل سے محروم کر لے، اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ایسا شخص بے عفتی کا شکار نہیں ہوگا لیکن یہ اس کے لئے فضیلت حساب نہیں کی جائیگی

اس کے علاوہ تجربہ کی دنیا شاہد ہے کہ ایسے افراد جو معاشرے سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ہیں، بہت سی اخلاقی برائیوں میں بھی لوٹ ہو جاتے ہیں جیسے کج خلقی، غرور و تکبر اور سورن ظن، تقدیر و فیصلہ خداوندی کے بائے میں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث علیحدہ کی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے اور سوادِ اعظم نے بھی اس کی طرف تشویق کی ہے اور سماج میں اصولِ اخلاقی کے نفاذ کی تاکید کرتے رہے ہیں۔

اخلاقی امراض کے معالجہ کی راہ

یہاں تک علمِ اخلاق کی غرض، اس کی اہمیت اور فردی و سماجی زندگی کے لئے اس کے لزوم کے بارے میں بحث کی گئی۔ اب یہاں اخلاقی اصولوں کے جزئیات، اخلاقی امراض کا طریقہ علاج وغیرہ کے بارے میں بحث ہوگی۔ یہاں دو نکتوں کی طرف توجہ دلانا انتہائی ضروری ہے۔

اول: اس قانون کی طرف ہمیشہ توجہ رہنی چاہئے کہ جو لوگ اخلاقی امراض کے شکار ہیں ان سے ایک مریض جیسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ یہ ایک طرح کی روحانی بیماری ہے جو کبھی کبھی جسمانی بیماری کا سبب بھی بنتی ہے اور کبھی کبھی جسمانی بیماریاں بھی اخلاقی انحراف کا سبب قرار پاتی ہیں، لہذا یہاں بھی ان اصولوں کی رعایت ضروری ہے جن کا لحاظ جسمانی امراض کے معالجہ میں کیا جاتا ہے۔

جسمانی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں تین اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے

۱۔ مَرَض کی تَشْخِیص

۲۔ مَرَض لاحق ہونے کے اسباب

۳۔ مَرَض کے علاج کا طریقہ

۱۔ بیماری کی تشخیص کے لئے عام طور سے اس کی علامتوں اور آثار سے استفادہ

کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کام جسمانی بیماریوں میں آسان ہے خاص کر آج کل جبکہ ہر قسم کے آلات ایجاد ہو چکے ہیں لیکن اخلاقی بیماریوں کی شناخت کافی مشکل اور پیچیدہ ہے کیونکہ کبھی اخلاق امراض سے مشابہ آثار پائے جلتے ہیں اور کبھی بہت سی روحانی بیماریوں کی علامت ایک ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مرض کی تشخیص مشکل ہوتی ہے اور عالم اخلاق و طبیب روحانی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے یاد دوسروں کے علاج کے سلسلے میں کافی باحوصلہ ہو اور کافی غور و فکر اور تحقیق سے کام لے۔

۴۔ عام طور سے شخص مغرب کے گزشتہ حالات، خاص کر بچپن کی زندگی (جو انسانی زندگی کے لئے بنیاد و اساس کی حیثیت رکھتی ہے) اس کا گھریلو اور سماجی ماحول کام اور ہمیشہ اس منطقے کی جغرافیائی حیثیت، ان تمام چیزوں کے بارے میں پوری طرح تحقیق کرنی چاہیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ روحانی بیماری کے اسباب کیا ہیں اور کبھی کبھی یہ روحانی بیماری خاندانی بھی ہوتی ہے جس طرح بعض جسمانی بیماریاں۔ لہذا خاندان کے بارے میں بھی تحقیق کرنی چاہیے۔

۳۔ اخلاقی امراض کا علاج

اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اگر بیماری پرانی ہے اور چڑچڑھلی ہے تو بہت صبر و ضبط اور حوصلے کے ساتھ وقت سے اس کا علاج کرنا چاہیے۔ معالجہ کی مدت طولانی ہونے سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، اس کے برعکس اگر مرض سطحی اور تازہ ہے ابھی جڑ نہیں پکڑی ہے تو اس کا علاج بھی آسان ہے اور کافی کم مدت میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کم سن اور جوان لوگوں کی اخلاقی بیماریوں کا علاج بڑے اور سن رسیدہ لوگوں کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کیونکہ نوجوان طبقہ بہت جلد مغرب بھی ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح بھی جلد ہو جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: علیک بالاحداث فانهم

اسرع الی کل خیر۔

» نوجوانوں کی طرف توجہ کرو، کیونکہ وہ بہت جلد ہر اچھائی کو اپنانے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔“

تحفظ اخلاق

دوسری بات جو یہاں قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ آج کی طب دواؤں پر مقسم ہے۔ ۱۔ طب معالجبی ۲۔ طب تحفظی۔ طب معالجبی کا مفہوم واضح ہے لیکن طب تحفظی وہ ہے جو امراض سے محفوظ رکھ سکے اور ان کے اسباب پیدا نہ ہونے دے اور چونکہ بیماری کا دفاع کرنا اور روک دینا بیماری کے علاج سے بہت زیادہ آسان ہے، اسی وجہ سے طب تحفظی کو ان انوں کی زندگی اور سماج کے بہبودی کے لئے کافی اہمیت دی گئی ہے اور اس شعبے پر کافی سرمایہ صرف کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اخلاقی مسائل کے لئے بھی دوشعبے معین ہیں، لہذا اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اخلاقی انحراف پیدا نہ ہونے پائے اور ضروری تدابیر کے ذریعے اپنے اور دوسروں کے اخلاق کو محفوظ رکھا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ضروری ہوگی :-

۱۔ غلط اور مہذبہ معاشرت سے اجتناب

یہ بات قطعی ہے کہ بہت سی اخلاقی بیماریاں غلط معاشرت کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے بعض جسمانی امراض معاشرت کی ذمہ ہیں۔ معاشرت ان لوگوں کے لئے اور بھی سم قاتل ہے جو ابھی کم سن ہیں، یا جن کی معلومات کم اور سطحی ہیں یا جن کا ایمان محکم نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں ان کی روح دوسروں کے اخلاق کو اپنانے کے لئے آمادہ ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے بری صحبت بلاکت کا سبب

قرار پاتی ہے۔

اکثر یہ بات دکھی گئی ہے کہ صحبت کی بنا پر انسان بالکل بدل جاتا ہے اور ایک راہ سے دوسری راہ پر گامزن نظر آتا ہے۔ صحبت ایسی چیز ہے جو انسان کی تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

صحبت و معاشرت انسان کی شخصیت کو سنوارنے میں کافی موثر ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کو پہچاننے کے لئے اس کے دوستوں اور جن کے ساتھ بیٹھتا اٹھتا ہے، ان کو دیکھنا چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: —

من اشتبه عليكم امره ولم تعرفوا دينه، فانظروا الى خلطائه۔

”جس شخص کی حقیقت تم پر روشن نہ ہو اور اس کے دین سے واقف نہ ہو اس کے دوستوں کو دیکھو“

— (کتاب صفات شیخہ صدوق)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: —

المرء علی دین خلیله وقرینہ۔

”انسان اپنے دوستوں اور ساتھ بیٹھنے والوں کے دین پر ہوتا ہے“

— (کتاب کافی)

بروں کی صحبت انسان کی رُوح کو تاریک، اس کی قوتِ تشخیص کو ضعیف اور برے اعمال اور بد اخلاقیوں سے نفرت کو سبک اور کم کر دیتی ہے جسے روایات کی اصطلاح میں دل کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: —

اربعۃ یمتن القلب ... و مجالسة الموتی فقیل
یا رسول اللہ، وما الموتی قال کل غنی مسرف۔
”چار چیزیں دل کی موت کا سبب ہیں ان میں سے چوتھے مردوں
کی صحبت ہے۔ لوگوں نے عرض کی اے خدا کے رسول! مردہ کون لوگ
ہیں؟ آپ نے فرمایا فضول حرج ثروت مند“

— (خصال صدوق)

بروں کی صحبت احساسِ بدگمانی کو برانگیختہ کرتی ہے اور ان کو ہر ایک سے بظن کر دیتی ہے۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: —

مجالسة الاشرار تورث سوء الظن بالاخيار۔

”بروں کی معاشرت نیک لوگوں سے بدگمانی کا سبب ہے!“

صحبت اور معاشرت اتنی ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبروں تک کو بروں کی معاشرت سے ڈرایا ہے اور اس کے برعکس نیکو کاروں کی صحبت کو اہم ترین وسیلہ قرار دیا ہے۔ تربیتِ رُوح تزکیہ نفس، اخلاقی فضائل کی پرورش دل کی زندگی اور حصولِ عزت و شرف کا۔

دین اسلام نے اچھوں کی معاشرت پر کافی زور دیا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: —

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم
بالغداة والعشى يريدون وجهه ولا تعد
عينك عنهم تريد رينة الجوه الدنيا
ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع
هواه وكان امره فرطاً (کہف۔ ۲۸)

” ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو صبح و شام خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں اور ہرگز نہ گھینی دنیا کی خاطر ان سے کنارہ کشی نہ اختیار کرنا اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرنا جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے محروم رکھا ہے، وہ لوگ اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں اور وہ لوگ افراط اور گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: —————

اسعد الناس من خالط كرام الناس -
 ”سب سے خوش بخت انسان وہ ہے جو نیکو کار لوگوں کی صحبت اختیار کرے“
 (امالی صدوق)

۲۔ سماج کی اصلاح

وہ معاشرے جو گناہ اور بُرائیوں سے آلودہ ہیں، بالخصوص وہ سماج جہاں گناہ علی الاعلان انجام دیئے جاتے ہیں، اخلاقی مفاسد کے خطرات کہیں زیادہ ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لہذا جو اقدامات تحفظ اخلاق کے لئے کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سماج کی بُرائیوں کو روکا جائے، تاکہ کھلم کھلا کوئی گناہ کا مرتکب نہ ہو سکے۔

اصولی طور پر گناہ اور بُرائی سے بچنے کے لئے اہم ترین مانع انسان کی نظر میں گناہ کی عظمت کا مجسم ہونا اور اس سے نفرت کا جذبہ ہے۔ گناہوں کا کھلے عام ارتکاب اس کی اہمیت کو گھٹاتا ہے اور اس سے نفرت کو کم کرتا ہے، اور انسان کی روح کو اسکے ارتکاب کے لئے آمادہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں کی نظر میں گناہ کی عظمت کو تازہ کرنے کیلئے حکم دیا ہے کہ گناہوں کی سزا مجمع عام میں اور لوگوں کے سامنے دی جائے۔

وليشه عذابهما طائفة من المؤمنین ہ

(سورہ نوس - ۲)

”زانی مرد اور عورت کی سزا کا بعض مؤمنین مشاہدہ کریں۔“

تاکہ گناہ کی عظمت و اہمیت جو کم ہو چکی تھی پھر سے لوگوں کی نظر میں تازہ ہو جائے۔ اسلام نے گناہ و فساد کے اعلان و اظہار کو بے حد اہمیت دی ہے اور اعلان فسق و گناہ کو اس کی شخصیت اور احترام کی تذلیل و تحقیر کا باعث بنا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: —————

إذا جاهر الفاسق بفسقه فلا حرمة له -

”جس وقت گناہ گار گناہ کو علی الاعلان انجام دیتا ہے تو اس کا احترام

سلب ہو جاتا ہے۔“ (وسائل الشیعہ کتاب الحج - ابواب العشرة)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: —————

ثلاثة ليس لهم حرمة صاحب هوى مبتدع والامام

الجائر والفاسق المعلن بفسقه -

وسائل الشیوخ (اصحاب میں)

”تین اشخاص احترام کے لائق نہیں ہیں: دین میں بدعت ایجاد

کرنے والا، ظالم حکمران اور علانیہ گناہ انجام دینے والا۔“

یہاں تک کہ وہ مطالب جو گناہ و فساد سے متعلق ہیں اگر ان کے بیان سے آلودگی، فکر یا سماج میں اس کے ارتکاب کا اندیشہ ہے تو اسلام کے نظر میں ان کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: —————

من سمع فاحشة فافشاها كان كمن اتاها و

من سمع خیرا فافشاہ کان کمن عملہ۔

(وسائل الشیعہ۔ کتاب الحج)

”جو شخص کسی بُرائی کو مٹنے اور اسے بیان کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اس گناہ کو انجام دیا ہے اور جو شخص کسی نیکی کو مٹنے اور اس کا پردہ مینڈھ کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اس نیکی کو انجام دیا ہے۔“

خلاصہ آلودہ اور مسموم معاشروں کی اصلاح بُرائیوں کی روک تھام، اور اس کو علی الاعلان انجام نہ پانے دینا ایک وسیلہ ہے اخلاقِ انحراف سے بچاؤ کا، اور اس کے بغیر ناممکن ہے کہ انسان اپنے یاد و سروں کے اخلاق کی اصلاح کر سکے۔

بالکل اسی طرح جس طرح جسمانی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جراثیم کے مرکزوں کو دفع کرنا پڑتا ہے، رہن سہن کی جگہوں، آب و ہوا اور غذا کو جراثیم کی آلودگی سے پاک رکھنا پڑتا ہے اسی طرح اسبابِ انحراف اور بد اخلاق کے جراثیم سے بھی معاشرہ کو پاک رکھنا پڑے گا۔

۳۔ آلودہ معاشرہ سے ہجرت

معاشرہ کی اصلاح اور تبدیلی کی حتی الامکان کوشش کرنا چاہئے، لیکن اس کے باوجود بھی اگر سماج کی اصلاح ممکن نہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اس آلودہ ماحول میں رہ کر خود بھی گناہ میں آلودہ ہو جائے گا اور کوئی دوسرا ماحول موجود ہو جہاں وہ برائیوں سے بچ سکتا ہو اس صورت میں اگر اس کے لئے ممکن ہے تو اس پر واجب ہے کہ ہجرت کرے۔

اس کی مثالیں جسمانی بیماریوں کے اندر بھی موجود ہیں کہ جو لوگ اپنی سلامتی جسم کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ فوراً آلودہ ماحول سے ہجرت کر کے اچھی آب و ہوا والے علاقوں کو انتخاب کرتے ہیں۔

مسئلہ مہاجرت اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے یہ مسئلہ تاریخ اسلام کی اساس اولیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلعم کا مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانا صرف آلودہ ماحول کو چھوڑ کر ایسے ماحول کو منتخب کرنا تھا، جہاں نشریان و فضیلت انجام پاسکے۔

اس موضوع کا دوسرا نمونہ سچے مسلمانوں کے ایک گروہ کا مکہ سے حبشہ ہجرت کرنا تھا فرمانِ پیغمبر ص کے مطابق۔

صدر اسلام کے مہاجرین کو تاریخ اسلام میں ایک خاص درجہ و مقام حاصل ہے جس کی طرف قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔ بہت سی احادیث بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں کہ آلودہ ماحول سے صحیح سلامت ماحول کی طرف ہجرت کرنا چاہئے جس سے اس موضوع کی اہمیت بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں آیت

ومن یمہاجر فی سبیل اللہ یمجد فی الارض مراغما

کتیرا وسعتا۔ (سورہ نساء۔ ۱۰۰)

پیغمبر اسلام سے نقل کیا ہے: —

من فرید بینہ من ارض الی ارض وان کان

شبرا استوجب الجنة وکان رفیق ابراہیم

و محمد (ص)۔

”جو شخص اپنے دین کی وجہ سے ایک سرزمین سے دوسری سرزمین

کی طرف ہجرت کرے چاہے ایک ہی بالشت کی مسافت ہو وہ شخص

جنت کا مستحق ہے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ جیسے دو عظیم

پیغمبروں کا ہم نشین ہوگا جنہوں نے ہجرت کی ہے“

ایک بالشت کی قید سے اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور پیغمبر اکرمؐ کی مصاحبت اس واسطے ہے کہ ان دو عظیم پیغمبروں نے ہجرت کی طرف اقدام فرمایا ہے حضرت ابراہیمؑ نے بابل سے جوہت پرستوں اور غرودوں کا مرکز تھا، شام اور فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اور پیغمبر اسلامؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں آیہ مبارکہ: —————

يا عبادي الذين آمنوا ان ارضي واسعة فاي اى

فاعبدون ۵ ————— (عنکوت ۵۶)

کے ضمن میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے نقل کیا ہے:۔

لا تطيعوا اهل الفسق من المملوك فان خفتوهم
ان يفتنوكم عن دينكم فان ارض واسعة۔

”فاسق حکمرانوں کی اطاعت مت کرو اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ تمہیں
اپنے مقدس دین سے منحرف کر دیں گے تو ہجرت کرو، کیونکہ ہماری زمین

بہت وسیع اور کشادہ ہے۔“

اسلام نے ان مخلوقوں میں جو شرکت کو حرام قرار دیا ہے جہاں گناہ کا ارتکاب
ہوتا ہے یا اجنبی عورت کے ساتھ رہنے سے جو منع کیا ہے یہ بھی ایک طرح کی مہاجرت
ہے منطقہ گناہ اور لغزش سے تاکہ انسان مفسد اخلاقی کا شکار نہ ہو۔ اور گناہ سے
محفوظ رہے۔

چار اخلاقی اصول قدماء کے نزدیک

تَحْقِيقٌ وَتَنْقِيَةٌ

اِحْتِشَامٌ وَرَبْرَةٌ

اِحْتِشَامٌ وَرَبْرَةٌ

اِحْتِشَامٌ وَرَبْرَةٌ

اِحْتِشَامٌ وَرَبْرَةٌ

اِحْتِشَامٌ وَرَبْرَةٌ

چار اخلاقی اصول

قدماء کے نزدیک

سب سے پہلے علم اخلاق کے ان اصولوں کو دیکھا جائے جو اس فن کے علماء نے مرتب کیے ہیں اور اس کے بارے میں مختصراً بحث و تحقیق کی جائے۔
علماء اخلاق نے فضائل اخلاقی کو چار اصولوں میں خلاصہ کیا ہے:-

۱۔ حکمت

۲۔ عفت

۳۔ شجاعت

۴۔ عدالت

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ چاروں اصول حد وسط ہیں، نفاذی قوتوں کی اس ترتیب سے کہ ان کے دونوں طرف لرزائل اخلاقی ہیں جو افراط اور تفریط ہیں نفاذی خواہش کی اس ترتیب کے ساتھ۔

۱۔ حکمت۔ یعنی واقعات کا صحیح ادراک اور اس کی تشخیص میں اعتدال برتنا، ادراک کے افراط کو "عیساری" اور تفریط کو "نادانی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ عفت۔ یعنی نفاذی خواہشات کا استعمال اعتدال کے ساتھ اور خواہشات

لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْإِسْلَامُ

عَلَيْكُمْ وَلَوْلَا

• كَلِمَاتٍ وَرَبِّهَا

• لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ

• فَيَلِدُ مِنْهَا مَنْ يَشَاءُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

• كَذَلِكَ يُخَلِّقُ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ فِيهَا مَنْ يَخْتَارُ

تقاضوں سے صحیح فائدہ حاصل کرنا، اس میں زیادتی و افراط کو شہوت پرستی و مرض اور تفریط کو کاہلی سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۔ شجاعت۔ قوتِ غضب کے استعمال میں میانہ روی اور اعتدال کو شجاعت کہتے ہیں، اس کی زیادتی و افراط کو تہور و مباحی اور تفریط کو بزدلی اور جبن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۴۔ عدالت۔ یعنی قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضب کا عقل کے تابع ہونا اور عقل کی روشنی میں راہِ اصلاح و سعادت کو طے کرنا، اس میں افراط کو ظلم اور تفریط کو انظلام اور تحملِ ظلم کہا جاتا ہے۔

یہ فلاسفہ قدیم ایک اعتبار سے رذائلِ اخلاقی کو لامحدود و غیر متناہی جانتے ہیں۔ حالانکہ فضائلِ اخلاقی جو حد و وسط اور نقطہ اعتدال ہیں ان کا صرف ایک ہی مرحلہ ہے، اسی وجہ سے ان کو مرکز اور دائرے سے تشبیہ دیتے ہیں، جو ایک نقطے سے زیادہ نہیں ہے اور رذائلِ اخلاقی کو نقاطِ لامحدود سے تشبیہ دیتے ہیں جو اس کے دونوں طرف فرض کیے گئے ہیں۔

اور کبھی یہ لوگ فضائلِ اخلاقی کو خطِ مستقیم سے تعبیر کرتے ہیں جو دو نقطوں کے درمیان میں واقع ہے اس کا مطلب بھی وہی ہے کیونکہ دو نقطوں کے درمیان غیر مستقیم اور تھنی بہت سے خطوط ہوتے ہیں۔

محقق طوسی خواجہ نصیر الدین اور بعض دوسرے محققین سے منقول ہے کہ صراطِ جس کی توصیف روایات میں یوں کی گئی ہے: "ادق من الشعر و اشد من السیف" (یعنی۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز) اس سے مراد اعتدالِ اخلاقی ہے۔

بعض دوسرے علماء اخلاق نے اس موضوع کی بون تفسیر کی ہے کہ دنیا آخری

چونکہ اس دنیا کے حالات کا مجسمہ اور عکس ہے لہذا ممکن ہے کہ صراطِ عکس اور مجسمہ ہو اس دنیا کے ملکاتِ اخلاقی کی میانہ روی اور اعتدال کا۔

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چار اصول کہاں سے آئے۔ اس کا علمائے اخلاق پر جواب دیتے ہیں کہ نفسِ انسانی تین قوتوں کا مالک ہے،

۱۔ قوتِ تشخیص و ادراک

۲۔ قوتِ جلبِ منفعت یا قوتِ جاذبہ جسے اور وسیع یہاں پر شہوت کہتے ہیں۔

۳۔ قوتِ دفعِ ضرر یا دفعہ جسے دوسرے لفظوں میں قوتِ غضب کہتے ہیں۔ انہیں تین قوتوں کے اعتدال سے تین فضائلِ اخلاقی حکمت، عفت اور شجاعت

پیدا ہوتے ہیں اور جس وقت دو قوتیں قوتِ شہوت و غضب قوتِ تمیز و ادراک کی تابع قرار پاتی ہیں تو ایک چوتھی صفت، در فضیلت یعنی (عدالت) حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں، ان تینوں مذکورہ قوتوں کا تنہا اعتدال ایک ایک فضیلت کا حامل ہے اور جب یہ تینوں آپس میں مرتب ہوتے ہیں یعنی قوتِ شہوت و غضب قوتِ ادراک کی پیرد ہوتی ہے تو اس سے ایک دوسری فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اکثر انسان شجاعت کا مالک تو ہوتا ہے اور میدانِ جنگ میں بے خوف و خطر بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ شجاعت غلط جگہ استعمال کی جائے مثلاً زمین یا ریاست حاصل کرنے کے لئے، یہاں شجاعت ہوگی لیکن عدالت نہیں پائی جائے گی۔ لیکن یہی شجاعت اگر ایک عالی مقصد مثلاً حکومتِ عادلانہ قائم کرنے کے لئے پیش کی جائے تو عدالت بھی شجاعت کے ہمراہ ہوگی۔

تحقیق و تنقید

فلاسفہ قدیم نے اخلاقی نیک و بد کے لئے جو اصول پیش کئے ہیں جس کی تشریح اس سے پہلے کی بحث میں کی گئی بظاہر تو اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اعتراضات سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ بعض ایسے فضائل اخلاقی بھی ہیں جن کو ان چار مذکورہ اصولوں کے تحت قرار دینا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر نوح دوستی، ایثار اور فداکاری۔ ان فضیلتوں کو مشکل سے عفت کے اندر جگہ دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ کسی کی شہوانی قوتیں اعتدال کے اوپر ہوں اور وہ ایثار و فداکاری اور نوح دوستی سے بھی کام نہ لیتا ہو یعنی نہ تو وہ کسی کے حقوق کو پامال ہی کرتا ہو اور نہ ان کے خسارے پر راضی ہو، لیکن اس کے باوجود ایثار و فداکاری سے بھی کام نہ لیتا ہو۔

اسی طرح خوش بینی و خوش فہمی کو بھی حکمت کا جزو نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ خوش بینی اور شخص صحیح دو چیزیں ہیں۔

اس چار کی تقسیم پر اصرار کا سبب شاید قدامت کا طرز فکر ہو جنہوں نے دنیا کے اکثر موضوعات کو چار پر تقسیم کیا ہے اور عنصر اصلی بھی ان کے نزدیک چار تھے، بدن کے اجزاء ترکیبی بھی چار اور مزاج کی بھی ان کے نزدیک چار قسمیں تھیں، جسمانی بیماریوں کے اصول کو بھی چار بیماریاں جانتے تھے اور تمام دواؤں میں چار میں سے کسی ایک طبیعت کے قائل تھے جبکہ آج یہ بات قطعی اور مسلم ہو چکی ہے کہ یہ ان کی تمام تقسیمیں غلط تھیں اسی طرح اخلاق نیک کی تقسیم بھی چار اصولوں پر درست نہیں ہے۔

۲۔ حکمت۔ حکمت کو فضائل اخلاقی کے اصول کا جزو اور اس کے نقطہ مقابل کو جزو، رذائل اخلاقی شمار کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اخلاقی فضائل قوتِ شخصیت و

ادراک کے علاوہ ہیں اور ان کا تعلق نفسانی خواہشات اور تقاضوں سے ہے نہ کہ شخص و اس سے۔ یہی وجہ ہے کہ خوش فکر ہونے کو حسنِ اخلاق سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

۳۔ قدامت کا یہ اصرار بھی بے دلیل ہے کہ تمام فضائل اخلاقی حد و وسط ہیں افراط اور تفریط کی کیونکہ یہ بات بعض موارد پر صحیح ہے اور بعض کے لئے صحیح نہیں ہے۔

جیسا کہ حکمت کو فہم و تیزگی حد و وسط جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ عیاری و مکاری کثرتِ فہم اور موش کا نام نہیں ہے بلکہ عیاری ایک طرح کی مکی فکر اور انحرافِ فہمی و بے جا شخصیت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح عدالت میں بھی زیادتی اور افراط کے کوئی معنی نہیں ہیں جسے انظلام یا تحمل ظلم کے نام سے تعبیر کیا جائے البتہ اگر تحمل ظلم کا مطلب سستی اور کاہلی ہے تو یہ عفت کے مقابلے میں قرار پائے گی اور اگر اثباتِ حق سے خوف مراد ہو تو قوتِ غضبانیہ کے تفریط کی منزل ہوگی۔ بہر حال عدالت میں افراط کا کوئی مفہم نہیں ہے۔

اور خاص کر اس وقت جبکہ عدالت کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ قوتِ غضبانیہ اور قوتِ شہوانیہ کے عقل کی پیروی کا نام عدالت ہے یہ بات قطعی ہے کہ اس کی پیروی میں افراط کا کوئی مفہم نہیں ہے۔

اس تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا کہ ملکات اخلاقی کا حد و وسط ہونا بعض موارد جیسے شجاعت اور عفت کے لئے درست ہے لیکن اس قاعدے میں عمومیت نہیں ہے کیونکہ عدالت اور حکمت میں حد و وسط کا تصور نہیں ہے (غور کیجئے)

اوپر کی بحث کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اچھے اور بُرے اخلاقی اصولوں کو صرف ہم پر منحصر کر دینا نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ کئی طرح سے قابلِ خدشہ ہے۔

لہذا حق یہ ہو گا کہ اصول فضائل اخلاقی کو چار پر منحصر نہ قرار دیں بلکہ ان کی تعداد اتنی ہی ہے جتنے انسان کے اندر غریزے، وجدان اور آرزوئیں ہیں، اور چونکہ انسان

مختلف اور بے شمار قدرتی صلاحیتوں کا مجموعہ ہے لہذا اس کے صفات نیک و برے اسی کے مطابق ہوں گے۔

ان قدرتی صلاحیتوں کی اگر اس طرح پرورش کی جائے کہ انسان کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے لئے مفید اور نکال کا باعث ہوں تو یہی صلاحیتیں فضیلت بن کر سامنے آتی ہیں اور اگر انہیں صلاحیتوں میں انحراف پیدا ہو جائے اور صحیح تربیت نہ ہو سکے تو یہی رذیلت بن کے ابھرتی ہیں۔

اس طرح صفات فضیلت و رذیلت کی تعداد انسان کے غرائز اور آرزوؤں کی تعداد کے مطابق ہوگی جس طرح جسمی بیماریوں کے اصول کی تعداد جسم کے مختلف شعبوں اور ان کے اجزاء ترکیبی کے برابر ہے۔

روایات و احادیث اہل بیت علیہم السلام میں بھی فضائل اخلاقی کی تعداد بہت زیادہ بیان کی گئی ہے جو چار کے عدد سے کافی زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر مشہور و معروف حدیث جو اصول کافی کے شرع میں امام جعفر صادقؑ سے عقل و جہل کے تشکر کے بارے میں نقل ہوئی ہے اس میں ان دونوں کے تشکر کی تعداد پچھتر شمار کی گئی ہے جو ہم جزو میں فضائل و رذائل اخلاقی کے۔

معیار اخلاق نیک و بد

تمام اخلاقی مسائل واضح اور آشکار نہیں ہیں البتہ بعض مفہم جیسے شجاعت سخاوت اور فداکاری اس قدر روشن ہیں کہ کسی کو بھی ان کے فضیلت ہونے میں شک و شبہ نہیں ہے اور انہیں کے مقابلے میں بزدلی، بخیلی اور خود غرضی کا رذیلت اخلاقی ہونا بھی واضح ہے۔

لیکن ممکن ہے کہ بعض دو مفہم فضیلت یا رذیلت ہونے میں مورد بحث

قرار پائیں، لہذا بغیر کسی صحیح معیار و میزان کے اخلاقی مباحث روشن نہیں ہو سکتے۔

جیسے آج کل فلاسفہ مادی مانند "برٹنڈرسل" کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی فعل کے ارتکاب سے (کوئی بھی فعل ہو) دوسروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس فعل کو حرام و ناجائز قرار دیں، اور صرف اس گمان پر کہ فلاں مذہب قدیم "تابو" (مراد وہ محرمات ہیں جو بغیر دلیل بعض مذاہب یا پرانی رسموں کے تحت رائج ہیں) نے اسے قبیح جانا ہے، لہذا ناجائز ہے صحیح نہیں ہے صرف اس فعل کے فوائد اور نقصانات کا حساب کرنا چاہیے۔

(کتاب جہانی کرمن می شام ص ۶۸)

یہ شخص مذکور اپنے اس عقیدے کی بنا پر بہت سے قبیح اعمال چونکہ دوسروں کے لئے مضر نہیں ہیں جائز جانتا ہے جیسے زنا وغیرہ جو طرفین کی رضامندی کے ساتھ ہو۔

بعض دوسرے ماہرین جیسے کمونسٹ لوگ اس کے معتقد ہیں کہ بہت سے پرانے اخلاقی اصول سرمایہ داری اور اقتصاد کی پیداوار تھے، لہذا سرمایہ داری کے ساتھ ہی وہ اصول بھی ختم ہو جائیں گے اس لئے ان لوگوں کے اخلاق کو صرف ان امور میں منحصر کر دیا ہے جو "پروتاریا" مزدوروں کے انقلاب یا اس کی بقا کے لئے مفید ثابت ہوں۔ بعض دوسری افواہیں بھی کچھ لوگوں کی طرف سے جو کئی ملک کے پابند نہیں ہیں،

بعض اخلاقی مسائل جیسے حیا اور عفت کے بارے میں سننے میں آتی ہیں جس کی بنا پر ہمارے لئے اس اخلاقی بحث میں روشن اور واضح معیار کا ہونا ضروری اور قطعی ہے۔

لہذا دیکھنا چاہئے کہ ان موارد پر کون سا معیار ہے جس سے ہم تشخیص دے سکیں کہ کون سا عمل فضیلت اور طابق اخلاق ہے اور کون سا فعل رذیلت اور بد اخلاقی ہے؟

اگر ہم اس بحث کو دینی اور مذہبی نقطہ نظر سے ملاحظہ کریں تو اس سوال کا جواب بہت آسان ہے اور واضح ہے اور ہماری ذمہ داری بھی روشن ہے کیونکہ جب ہم نے

اسلام کی حقانیت کو قطعی دلیلوں کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے تو فضائل اور رذائل اخلاقی کا معیار بھی ہمیں اسلام کے صحیح مدارک یعنی قرآن مجید اور سنت (روایات صحیحہ) کے ذریعہ آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔

لیکن اگر اس بحث کو عقلی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ایک قانون ہمیشہ نظر میں رکھنا پڑے گا وہ یہ کہ ہر وہ اصول اخلاقی جو انسان کو ترقی اور سعادت کی طرف لے جائے وہ فضیلت اور جو پستی اور زلت کا سبب بنے وہ ذلیلت ہے۔

لیکن یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ انسان کا مطالعہ صرف اس کی مادی ضروریات کے اعتبار سے کرنا اور اس کی معنوی اور روحانی اعتبارات کو جو اس کے لئے مایہ افتخار و امتیاز ہیں، مد نظر نہ رکھنا بالکل غلط ہے، اس کی مادی زندگی وسیلہ اور زمینہ ہے معنوی زندگی کا۔ لہذا اس کی معنوی ضروریات پر پوری توجہ دینی چاہئے۔

لہذا ممکن ہے کہ ایک بُرا اور قبیح عمل دوسروں کے لئے زحمت کا باعث نہ ہو لیکن انسانی اور معنوی اعتبار سے اس عمل کے انجام دینے والے کی پستی اور زلت کا سبب ہو لہذا ایسا عمل ذلیلت اور خلاف اخلاق ہوگا۔

جو لوگ انسان کو صرف مادی اعتبار سے دیکھتے ہیں انھوں نے انسان کے نصف وجود بلکہ اس سے بھی کم کی معرفت حاصل کی ہے حالانکہ اخلاقی اصول بغیر انسان کی پوری معرفت یعنی روح اور جسم دونوں کے مطالعے سے پہلے مرتب نہیں کئے جاسکتے۔

اور اس سے کہیں بدتر کمیونسٹوں کا اخلاق ہے جنھوں نے نہ صرف انسان کی معنوی حیثیت کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ مادی ضروریات کو بھی صرف ایک حصہ (اقتصاد) پر منحصر کر دیا ہے۔ یہ لوگ انسان کو صرف اس کی اقتصادی ضروریات کے اعتبار سے پیش کرتے ہیں۔

یہ بات بدیہی ہے کہ اس طرح کے اخلاقی مکاتب جو واقعیت سے دُور اور معرفت انسان سے خالی ہیں صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے اور یقیناً ایسے لوگ فضائل و رذائل اخلاقی کی شناخت میں اشتباہ کا شکار ہوں گے۔

لہذا عقل و منطق کی روشنی میں اصول اخلاقی کو پہچاننے کا صحیح معیار وہی ہے جو ذکر کیا گیا یعنی انسان کی ترقی و سعادت کو تمام جہات سے مورد مطالعہ قرار دینا چاہئے اور ان صفات کو جو ترقی اور سعادت کے لئے مفید ہیں ان سے جدا قرار دینا چاہئے جو مفید نہیں ہیں اور اسی کی روشنی میں فضائل و رذائل اخلاقی کی تحقیق کرنی چاہئے۔

رہبانیت اور گوشہ نشینی کے اثرات اخلاق پر

تہذیبِ نفس اور اخلاقی فضائل کا حصول سماج میں رہ کر زیادہ ممکن ہے یا گوشہ نشینی اور رہبانیت میں؟

یہ وہ سوال ہے جسے بہت لوگ خود اپنے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انسان جتنا ہی زیادہ الگ تھلک اور گوشہ نشین ہوتا ہے، ہی اخلاقی اعتبار سے بہتر اور سالم ہوگا، کیونکہ بہت سے انحرافات اور اخلاقی رذائل بلکہ اکثر روحانی بیماریاں اجتماع اور معاشرے کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہیں جیسے حسد، تکبر، جھوٹ، غیبت، بہتان، ریاکاری، کینہ پروری وغیرہ یہ سب ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو بغیر دوسروں سے خلط ملط اور سماجی رہن مہن کے پیدا نہیں ہو سکتیں۔

جو شخص دوسروں سے بالکل الگ ہے، نہ کسی کی غیبت کرتا ہے اور نہ سُنتا ہے، نہ کسی سے حسد کرتا ہے اور نہ محمود واقع ہوتا ہے نہ ریاکاری کا شکار ہوتا ہے نہ دروغ گوئی سے کام لیتا ہے نہ کسی کا کینہ اس کے دل میں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے۔

حامیان گوشہ نشینی و رہبانیت جن میں بعض علماء اخلاق اور بہت مشہور زہاد و عباد بھی ہیں جو دلیل مذکور کے علاوہ دوسری دلیل بھی گوشہ نشینی کی فضیلت میں پیش کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ گوشہ نشینی بہتری اخلاق کے لئے کس قدر موثر ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان تنہائی میں اچھی طرح خدا کی عبادت کر سکتا ہے اور حضور قلب کے ساتھ اس کی بارگاہ میں مناجات اور راز و نیاز کر سکتا ہے۔

رموز و اسرارِ خلقت کے بارے میں بہتر فہم کر سکتا ہے اور علوم کے مختلف شعبوں میں غور و فکر کے حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے، محبت و نفرت آپس کے جھگڑے اور اختلاف کو جنگ و جدال جو حقائق اور واقعات پر پردہ ڈال دیتے ہیں، تنہائی کی زندگی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے بڑے بڑے مفکرین تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اس کے علاوہ معاشرہ میں زندگی بسر کرنا کبھی کبھی ان کے لئے اہم ذمہ داری پیدا کر دیتا ہے جس میں کوتاہی یا خرافات کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ معاشرے کے اندر اکثر و بیشتر برائیوں اور از کتاب محرمات سے رو برو ہوتے ہیں جہاں پر امر بہ معروف اور نہی از منکر کے تحت واجب ہے کہ ان محرمات کے خلاف برسر پیکار ہوں، جبکہ ہم مطمئن نہیں ہیں کہ معاشرے میں رہ کر ہمیشہ اس وظیفہ کو انجام دے سکیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کریں تاکہ ان ذمہ داریوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

ان دلیلوں کے علاوہ بہت سی آیات اور روایات میں بھی گوشہ نشینی کو محمود قرار دیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر ان میں سے بعض کی طرف قارئین کی توجیہ کو مبذول کیا جاتا ہے :-

(۱) فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ
اسْمُحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلَّ جَعَلْنَا نَبِيًّا

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اسحقؑ اور یعقوبؑ جیسے بیٹوں کی نعمت جو دونوں ہی نبی تھے اس وقت عطا ہوئی جبکہ گوشے اور تنہائی میں عبادت خدا میں مشغول تھے۔

(۲) وَاِذَا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ اِلَّا بِاللّٰهِ

فَاَوْوَا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ اصحاب کہف اجتماع سے علیحدگی اور گوشہ نشینی کی بنا پر لطف خداوندی کے مستحق بنے۔

(۳) قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ (ص) اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ ؟

قَالَ مَوْءِنٌ مَّجَاهِدٌ بِنَفْسِهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

قِيلَ ثَمَّ مَنْ ؟ قَالَ رَجُلٌ مَّعْتَزِلٌ فِي شَعْبٍ مِنْ

الشَّعْبِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدْعُ النَّاسَ فِي شَرِّهِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ تمام لوگوں میں

سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ صاحب ایمان شخص جو اپنے

جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ لوگوں نے عرض کی اس کے بعد کون

ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایک گوشہ

میں خدا کی عبادت کرتا ہو اور لوگ اس کے شر سے مومن ہوں؟“

اس روایت میں بھی گوشہ نشینی کو جہاد کے بعد درجہ دیا گیا ہے اور اس کی تعریف کی گئی ہے۔

لے اس حدیث کے راوی ابو سعید خدری ہیں۔ احمیاء العلوم کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ روایت تنفق علیہ ہے۔

(۴) کتاب مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

صاحب العزلة متخصن بحسن الله ومحترس بحراسته
فيا طوبى لمن تفرده سرأ وعلانية
”گوشہ نشین قلعہ خداوندی اور حفاظت الہی میں ہے تبریک ہے
ان لوگوں کے لیے جو ظاہراً اور باطناً دونوں حال میں خدا کے ساتھ ہیں۔“

مضرات گوشہ نشینی اور رہبانیت

جو فوائد اور منافع گوشہ نشینی اور رہبانیت کے بارے میں اوپر ذکر کیے گئے ہیں اس کے نقصانات اور مفسدات سے کہیں زیادہ ہیں اور معاشرتی زندگی کے بے شمار فوائد اس کی ابتری کی دلیل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے جو چیز اجتماعی زندگی کو روشن کرتی ہے وہ یہ کہ اکثر فضائل اخلاقی صرف اجتماع اور سماجی زندگی میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ انفرادی زندگی میں ممکن نہیں ہیں کیونکہ اکثر اخلاقی صفات دوسروں سے روابط کی بنا پر رونما ہوتے ہیں جیسے تواضع و انکساری، ایشاء و محبت، عفو اور درگزر، سخاوت اور بردباری، رحم دلی اور امانت نفس پر تسلط اور غصہ پر قابو رکھنا وغیرہ ایسے اخلاقی صفات ہیں جو لوگوں کے ساتھ رہنے میں اور ربط و ضبط سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان صفات کا حصول اجتماعی زندگی کے بغیر ناممکن ہے۔

ثانیاً گوشہ نشین رہ کر بعض اخلاقی مفسدات جیسے حسد، تکبر، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رہنا حقیقت میں فضیلت یا افتخار نہیں ہے بلکہ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی انسان بے عفتی سے بچنے کے لئے اپنے کو اس وسیلے سے ہی محروم کر لے۔ یقیناً ایسا شخص آلودگی سے محفوظ رہے گا، لیکن اس طرح کی پاکدامنی فضیلت شمار

نہیں کی جاتی۔ فضیلت اور کمال تو یہ ہے کہ انسان معاشرہ کے اندر رہ کر آلودگیوں کے درمیان سے حضرت یوسف کی طرح گزر جائے اور اپنے دامن کو داغدار نہ ہونے لے ہاں خود سے عملاً ایسا ماحول پیدا نہ کرے۔

لہذا اخلاق فاضلہ جو انسان کے امتیاز و شرف کا معیار ہیں ان کے حصول کی طرف ایک ہی راہ ہے کہ ہم سماج اور معاشرہ میں زندگی گزاریں اور سماج کے لوگوں سے ارتباط رکھیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ صفات عالیہ خواہشات نفس اور اسباب فساد سے مقابلے اور ان پر غلبے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح جنگلی اور صحرائی درختوں کی لکڑیاں کافی محکم اور پائیدار ہوتی ہیں کیونکہ وہ سخت سے سخت طوفانی ہواؤں کی آغوش میں پرورش پاتے ہیں۔ اگر وہی درخت کسی محدود اور بند جگہ پرورش پائیں تو ان میں وہ استحکام اور مضبوطی نہیں ہوتی۔ اسی طرح گوشہ نشین اور معاشرہ سے الگ زندگی گزارنے والے لوگ بھی دھیرے دھیرے اپنے روحانی کمالات اور انقلابی جوہر سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔

اور شاید یہ حدیث ذیل اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے: —
پیغمبر اکرم ص کے زمانے میں مسلمانوں میں سے ایک شخص عبادت کی غرض سے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایک پہاڑ کے اوپر مقیم ہو گیا تھا، اس کو رسول خدا کے پاس لا گیا، حضرت نے اس سے فرمایا: —

لا تفعل انت ولا احد منکم لصبر احدکم فی
بعض مواطن الاسلام خیر من عبادة احدکم
اربعین عاماً۔

”نہ تم نہ کوئی ایک مسلمان ہرگز ایسا نہ کرنا کیونکہ اسلام سماج میں صبر و

استقامت کے ساتھ زندگی گزارنا چالیس سال کی عبادت سے بہتر ہے۔
(المحجۃ البیضاء جلد ۱ ص ۱۰۰)

اس گفتگو سے حامیان گوشہ نشینی کی پہلی دلیل کا جواب روشن ہو جاتا ہے۔

۲۔ تنہائی اور گوشہ نشینی بہت سے فکری انحرافات اور اشتباہات کا سرچشمہ ہے کیونکہ انسان جس قدر بھی خوش فکر اور پُر استعداد ہو، اشتباہات سے بے گناہ نہیں ہو سکتا اور یہ اشتباہات بغیر دوسروں سے ربط و ضبط کے آشکار نہیں ہوتے۔ معاشرہ میں رہ کر انسان بہت جلد اپنے اشتباہات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے لیکن تنہائی اور گوشہ نشینی میں چونکہ ان کے اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے لہذا انسان ہمیشہ اسی منحرف راستے پر باقی رہتا ہے، اس شخص کی طرح جو صحیح راستے کو گم کر کے غلط راستے پر گامزن ہو، یہ شخص جتنا بھی آگے بڑھتا جائے گا، اتنا ہی زیادہ اصلی راستے سے دور ہو جائے گا اور کبھی کبھی اسی انحرافی اور غلط فکر کو دوسرے مطالب کے لئے مددگار قرار دیتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا ذہن اشتباہات کی آماجگاہ بن کے رہ جاتا ہے اور اس کے انکار بے قیمت ہو کے رہ جاتے ہیں۔

اس بیان کے ضمن میں حامیان گوشہ نشینی کی دوسری دلیل یعنی تنہائی میں انسان بہتر فکر کر سکتا ہے، کا جواب بھی روشن ہو جاتا ہے کیونکہ تنہائی انکار انسانی کے لئے کافی خطرناک ہے۔

۳۔ گوشہ نشینی کا ایک دوسرا عیب خود پسندی اور یہ غریبہ حب ذات کی دین ہے جو ایک فطری شے ہے جس کی بنا پر انسان اپنی ذات اور اپنے افکار و اعمال کے لیے ضرورت سے زیادہ اہمیت کا قائل ہوتا ہے۔

تقاضہ حب ذات دراصل خوردبین کے مانند ہے جو انسان کے افکار و اعمال کو بڑھا چڑھا کے پیش کرتی ہے اور اس کی برائیوں کو چھوٹا بنا کے پیش کرتی ہے

یہی دونوں چیزیں انسان کی خود پسندی اور خود بینی کا سبب قرار پاتی ہیں۔ تنہائی اور گوشہ نشینی اس صنفِ ذلیلہ کی پرورش کے لئے کافی مددگار ثابت ہوتی ہے، لیکن معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والا انسان دوسروں سے ربط و ضبط کی بنا پر اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے اور اپنے فضائل و کمالات کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے اور اس طرح صفتِ خود پسندی آہستہ آہستہ اس سے دور ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر گوشہ نشین افراد بہت بڑے بڑے اور عجیب و غریب دعوے کرتے نظر آتے ہیں جس کا سبب خود پسندی اور خود بینی ہے۔

اس بیان سے معاشرتی زندگی کا ایک اور اہم فائدہ بھی واضح ہو جاتا ہے، وہ اپنے عیوب کی تشخیص ہے۔ خاص کر وہ لوگ جن سے ہمارے دوستانہ تعلقات نہیں ہیں، یا جو دشمن ہیں، ایسے لوگ ہمارے عیوب کی تشخیص کے لئے آئینہ کا بہترین کام انجام دیتے ہیں، اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو ہماری بہت سی برائیاں ہمیشہ کے لئے ہم پر مخفی رہ جائیں۔ ہم گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر کے اس مفید ترین آئینہ کو توڑ دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارا چہرہ روحانی بھی ان لوگوں کے بے ڈھنگے چہرے کے مانند ہو جاتا ہے جو کبھی آئینہ کی طرف نگاہ نہیں کرتے۔

خدا کے بندوں سے بدگمانی

۴۔ گوشہ نشینی کے عیوب میں سے ایک بدگمانی بھی ہے اور یہ بھی نتیجہ ہے خود پسندی اور خود بینی کا کیونکہ انسان جب شدید خود بینی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے بارے میں حد سے زیادہ خوش عقیدہ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے جس قدر ذاتی اور احترام کا امیدوار ہوتا ہے وہ حاصل نہ ہونے پر لوگوں سے کافی بدظن ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تمام لوگ بدنیت، فضیلت کش اور خود غرض ہیں انہیں اچھے برے کی

کوئی تمیز نہیں ہے بلکہ تمام لوگ گمراہ اور منحرف ہیں، اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی معاشرت اختیار کی جائے۔ اس طرح گوشہ نشینی خود سبب بنتی ہے گوشہ نشینی کی تقویت کا اور ایسے لوگوں کو مزید گوشہ نشین بنا دیتی ہے۔

۵۔ غیظ و غضب اور کج خلقی: گوشہ نشین افراد عام طور سے غصہ و راور بد اخلاق ہوتے ہیں اور کسی طرح کی معمولی سی زیادتی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ذرا سا باتوں پر رٹنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر پاتے۔

اس کے برعکس وہ لوگ جو معاشرہ میں زندگی بسر کرتے ہیں، کافی جفاکش اور باحوصلہ ہوتے ہیں، ان کے چہرے ہشاش بشاش اور عام طور سے خوش اخلاق ہوتے ہیں اور ان کا باحوصلہ ہونا بھی واضح ہے کیونکہ وہ معاشرہ میں رہ کر سختیوں اور مشکلات کو بھیلنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور یہ مارست انھیں آہستہ آہستہ باحوصلہ بنا دیتی ہے۔

لیکن گوشہ نشین لوگ زیادہ تر خشک مزاج ہوتے ہیں، بہت کم ہنستے ہیں اور بہت کم مذاق کرتے ہیں بلکہ ان کی زندگی میں مسلسل خشکی ہی خستگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے روحانی اعتدال کو کھو بیٹھتے ہیں، جس کی بنا پر انھیں روحانی سکون حاصل نہیں ہو پاتا۔ اور جو بیگانی ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے چونکہ اس کے دور کرنے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں ہوتا لہذا اسی قلبی الجھن اور بیماری میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ حالات ان کی کج خلقی اور غیظ و غضب میں اضافہ کرتے ہیں۔

۶۔ علوم اور تجربات سے محرومیت: بہت سے علوم و افکار ایسے ہیں جو بزرگوں کی زبان روش اور طرز فکر کو دیکھ کر حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ علوم بغیر معاشرتی زندگی اختیار کیے نہیں حاصل ہو سکتے۔ اس کے علاوہ افکار میں خشکی اور قسم قسم کے تجربے گوشہ نشین رہ کر نہیں حاصل ہو سکتے بلکہ اس کا واحد راستہ سماجی

رہن سہن ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زندگی کا حاصل مفید اور نفع بخش تجربوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

* * *

لیکن اس مقام پر ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ باوجود اسکے کہ ہر انسانی زندگی کی بنیاد معاشرت اور باہمی ربط و ضبط پر ہونی چاہئے، کچھ استثنائی موارد بھی ہیں جہاں گوشہ نشینی اور قطع ارتباط کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ جسے کوئی انسان ایسے فاسد ماحول میں ہو جہاں انحراف اور گمراہی کے علاوہ کوئی توقع نہ پائی جاتی ہو، ایسے معاشرہ سے دوری لازمی ہے تاکہ انسان آلودگی سے محفوظ رہ سکے بالکل اسی طرح جیسے ان مقامات سے اجتناب کیا جاتا ہے جہاں چھوٹ کی بیماریاں پھیلی ہوئی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سفیان ثوری سے ارشاد فرمایا۔

فسد الزمان و تغیر الاخوان فرأیت الانفراد
اسکن للفواد۔

”زمانہ فاسد ہو گیا، احباب منقلب ہو گئے ایسی صورت میں گوشہ نشینی
اکو میں نے زیادہ سکون بخش پایا۔“

اس روایت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اسے اس بحث سے حایان گوشہ نشینی کی اکثرہ دلیلوں کا جواب بھی روشن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو بد خلقی کی اس منزل پر پہنچ چکا ہو کہ اسے ترک کرنا اس کے لئے محال ہو، اسے معاشرہ سے الگ ہو کر تنہائی کی زندگی گزارنا چاہئے تاکہ پورا معاشرہ اس برائی

لہ سفینۃ البحار مادہ عزل

میں لوث نہ ہو۔ حدیث میں بھی "رجل معتزل فی شعب من الشعب" سے اسی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر حایان گوشہ نشینی کی دلیلوں کے ضمن میں ہو چکا ہے ایک اور نکتہ جس کا ذکر نا ضروری ہے وہ یہ کہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر روز اپنے اوقات کا ایک حصہ تنہائی میں گزارا جائے، تاکہ ابھی طرح غور و فکر اور مطالعہ کر سکے اور فراغت کے ساتھ بارگاہِ معبود میں رازدنیاز اور بندگی کے فرائض خلوص کے ساتھ انجام دے سکے تاکہ شکوک و شبہات اور ریاکاری سے محفوظ رہے جیسا کہ اکثر بزرگوں کا شیوہ بھی یہی تھا کہ وہ اپنے روزمرہ کے اوقات کا ایک حصہ غور و فکر، مطالعہ اور عبادت کے لئے مخصوص قرار دیتے تھے، ممکن ہے کہ روایات عزالت اور گوشہ نشینی سے اسی امر کی طرف اشارہ ہو۔

لہذا اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی زندگی کی اصل و اساس معاشرت اور باہمی زندگی پر ہے اور تنہائی و گوشہ نشینی خاص موارد کے لئے ہے۔

مراقبہ اور محاسبہ

علماء اخلاق نے اپنی کتابوں میں اخلاقِ فاضلہ کے حصول اور رذائل سے بچنے کے لئے دُرّ چیزوں کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے جس کے بغیر روحانی و اخلاقی مراتب کمال تک پہنچانا ممکن ہے۔

(۱) مراقبت - یعنی کوئی فعل انجام دینے سے پہلے اس کی ماہیت کے بارے میں پوری توجہ اور غور و فکر۔

(۲) محاسبہ یعنی جو فعل انجام دیا جا چکا ہے اس کے آثار و نتائج کے بارے میں تحقیق۔

اکثر و بیشتر ان دونوں مرحلوں کی معمولی سی غفلت انسان کو اس بد بختی کے گھاٹ

آتا رہتی ہے جس سے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔

انسان کی روح کی حالت بھی بالکل اس کے جسم کے مانند ہے جس طرح سلامتی جسم کے لئے انسان بہت سے طبی اور ڈاکٹری اصولوں کی رعایت پر مجبور ہوتا ہے اور کوئی غذا کھانے سے پہلے، کسی نئی جگہ جانے سے پہلے اسے دیکھنا پڑتا ہے کہ اس میں کسی بیماری کا خطرہ تو نہیں، اور کبھی کبھی اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بیماری سے بچنے کے لئے مختلف طرح کے ٹیکے وغیرہ لگوائے، کھانے پینے کی بعض چیزوں سے پرہیز کرے بلکہ کبھی مجرب ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جا کر اپنا معائنہ بھی کرانا ہوتا ہے اور بیماری کے معالجہ کے بعد بھی مدتوں کمزوری اور نقاہت کو دور کرنے کے لئے مقویات استعمال کرنی ہوتی ہیں، تاکہ جسم کی کھوئی ہوئی قوت کو پھر سے واپس لایا جاسکے۔

سلامتی رُوح اور اخلاقی بیماریوں سے بچنے کے لئے بھی ان تمام امور کی رعایت کرنی پڑتی ہے۔ جو شخص بھی یہ چاہتا ہے کہ اخلاق کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہو، اس کے لئے مندرجہ ذیل چند امور کا لحاظ ضروری ہوگا:

(۱) ہمیشہ اپنے حالات پر نگرانی رکھے، اس نوجہ کے ساتھ کہ اس سے پہلے خدا اس کے تمام حالات پر نگرانی اور نظارت رکھنے والا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

افمن هو قاسم علی کل نفس بما کسبت
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم انسان کے تمام حالات پر اسی طرح نظارت رکھتا ہے جیسے کوئی اس کے سر پر بیٹھ کر اس کی نگرانی کرے۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں ہے: —

ان الله كان عليكم رقيباً له
”خدا تمہارے اعمال پر نگہ راز ہے۔“

اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: —
اعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه
فانك تراه۔

”اس طرح عبادتِ خدا بجالاؤ جیسے اس کو دیکھ رہے ہو اور

اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ بہر حال تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے تفسیر میں لفظ احسان کی آیت
مُبَارَكَةٌ — ان الله يامر بالعدل والاحسان — کے ضمن میں
یعنی تمام نیکیوں کا سرچشمہ بھی مراتب، اور نظارت ہے۔

(۲) دوسرے ہر گفتگو اور کام سے پہلے اس کی عاقبت اور نتیجہ کے بارے میں

اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہئے کیونکہ روایت میں ہے: —

انما ينشر للعبد في كل حركة من حركاته

وان صغرت ثلثة دواوين الاول لم الثاني

كيف الثالث لمن۔

”ہر عمل انجام دیتے وقت چاہے وہ عمل جتنا ہی معمولی ہو، تین دست

ان کی خصوصیات کو ثبت کرنے کے لئے کھولے جاتے ہیں، پہلے دست

میں اس کے انجام دینے کا سبب (یعنی کیوں انجام دیا گیا) اور دوسرے

میں اس کی کیفیت، یعنی کس طرح انجام پایا، اور تیسرے میں کس
کے لئے انجام دیا گیا۔“

یعنی پہلے میں فوائدِ عمل، دوسرے میں کیفیتِ عمل اور تیسرے میں اس عمل کا ہدف
اور مقصد واقعی درج کیا جاتا ہے۔

ان حقائق کی طرف توجہ یقیناً انسان کو بُرے کاموں سے روک سکتا ہے۔

۳۔ ہر روز جتنے کام بھی انجام دے اس کا اچھی طرح محاسبہ کرے تاکہ اگر

کوئی گناہ یا لغزش ہو گئی ہو اس کی طرف پہلے ہی مرحلے میں متوجہ ہو جائے اور

وہ گناہ اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکے اور ایک حالت روحانی نہ پیدا کر سکے، جس قدر جلد

ممکن ہو، اس کے اثرات کو اپنی روح و دل سے دُور کرنے کی کوشش کرے اور اس کا

طریقہ یہ ہے کہ اس کے خطرناک نتائج کو سوچ کر اپنے کو ملامت کرے اور آئندہ اس

سے مقابلے کے لئے اچھی طرح تیار اور مصمم ہو جائے اور جتنا گناہ اس سے سرزد

ہو چکا ہے اتنی ہی نیکیاں بجالائے تاکہ اس کی گئی ہوئی نورانیت اور صفائے قلب اپنی

پہلی حالت پر واپس آسکے، بالکل اس شخص کی طرح جو جسمانی بیماری سے اٹھنے

کے بعد تقویتِ جسم کا اہتمام کرتا ہے چنانچہ اسے بھی اپنے ایمان اور روح کے

تقویت کے لئے ایک بڑت تک کوشاں رہنا چاہئے۔ اور توجہ استغفار کا مفہوم

بھی دراصل یہی ہے۔

یہ موضوع یعنی محاسبہ اور جبرانِ عمل اس قدر ضروری اور اہم ہے کہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: —

انني لا استغفر الله و اتوب اليه في اليوم

ماتہ مرتہ۔

”میں ہر روز اپنے پروردگار کی بارگاہ میں تلو مرتبہ استغفار

کرتا ہوں۔“

جبکہ یہ بات بھی معلوم ہے کہ آپ کا استغفار گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کیفیت اطاعت کی بنا پر ہے۔!

۳

تہذیب اخلاق کی راہ میں
پہلا قدم

اصلاح زبان و بیان

- زَبَانُ دِلِّ كِي تَرْجَمَانُ اَوْرِ شَخْصِيَّتِ
کارازِ ہے۔
- زَبَانُ تَيْسِ اِهْمُ گناہوں کا سرچشمہ
- خَامُوشِي اَوْرِ سَكُوْتِ

اصلاح زبان و بیان

زبان دل کی ترجمان اور شخصیت کا راز ہے

زبان و بیان کی اصلاح کو اخلاقی مباحث میں اس لئے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ زبان ہی دل کی ترجمان اور عقل کی پیامبر ہے۔ زبان انسان کی شخصیت کا راز اور روح انسانی کے لئے اہم ترین روشن دان کی مانند ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو کچھ انسان کے صفحہ روح پر نقش ہوتا ہے (چاہے اس کا تعلق علوم و افکار سے ہو یا جذبات و احساسات سے) سب سے پہلے زبان ہی پر اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر اطباء سے قدیم مزاج کے اعتدال و انحراف کا اہم سبب زبان کی کیفیتوں کو قرار دیتے تھے تو آج کے ماہرین بھی قلبی مسائل کی حقیقت ان کے بیانات اور اقوال میں تلاش کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علماء اخلاق اصلاح زبان کے بارے میں خاص اہمیت کے قائل ہیں اور زبان کی اصلاح کو روح اور فضائل اخلاقی کے گئے تکامل اور ارتقار کا سبب مانتے ہیں۔

اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں میں بھی مختصراً اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے جیسا کہ حضرت علیؑ اور امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے:—

(۱) المرء مخبوءٌ تحت لسانہ: "انسان اپنی زبان کے

بیتہ ان کے ابینہ
حمتہ کلہ

نالیہ بن ابی المہدی

- شیخ فضالہ ان لہجہ تریہ ان لہجہ
- شیخ فضالہ ان لہجہ تریہ ان لہجہ
- شیخ فضالہ ان لہجہ تریہ ان لہجہ

نیچے پوشیدہ ہے۔ یعنی اس کی صرف علمی حیثیت ہی نہیں بلکہ اخلاقی و سماجی حالات بھی اس کی زبان ہی سے آشکار ہوتے ہیں بلکہ

۲۔ لا یتقیم ایمان امرء حتی یتقیم قلب

ولا یتقیم قلبہ حتی یتقیم لسانہ

”ایمان اس وقت تک پائیدار نہیں ہوتا جب تک دل میں پختگی نہ

پیدا ہو اور دل اس وقت تک پختہ نہیں ہوتا، جب تک زبان میں

استقامت نہ پائی جائے“ ۱۰

اصلاح زبان کی اہمیت ہمارے لئے خود بخود روشن ہو جائے گی جب ہم جان لیں گے کہ بہت سے بڑے بڑے گناہ زبان ہی سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح مرحوم فیضؒ نے کتاب حجۃ البیضا میں اور غزالی نے احیاء العلوم میں زبان کے گناہوں کے سلسلے میں مفصل بحث کی ہے اور غزالی نے پیش گناہان زبان سے متعلق شمار کرائے ہیں، جس کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ ایسے موضوعات پر گفتگو کرنا جس کا اس سے کوئی ربط نہ ہو

۲۔ بیہودہ باتیں اور بکواس کرنا

۳۔ حرام اور غلیظ چیزوں کی تعریف کرنا جیسے شراب، جوئے اور بازاری

عورتوں کی تعریفیں۔

۴۔ فضول بحث و مباحثہ اور دوسروں پر اعتراض و نکتہ چینی محض مقابل کو

بہنچا دکھانے یا اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے۔

۱۰ کلمات تصاریم مؤمنان

۱۱ احیاء العلوم

۵۔ بحث و مباحثہ کے درمیان جھگڑا اور کٹ مچتی کرنا۔

۶۔ لفاظی و قافیہ آرائی بے معنی

۷۔ بد تمیزی اور سب و شتم

۸۔ (بے جا) لعنت و ملامت

۹۔ گانے اور فاسد اشعار

۱۰۔ حد سے زیادہ سنسنی مذاق

۱۱۔ کسی کا مذاق اڑانا

۱۲۔ دوسروں کے راز کو فاش کرنا

۱۳۔ جھوٹا وعدہ کرنا

۱۴۔ جھوٹ بولنا اور قسم

۱۵۔ غیبت کرنا

۱۶۔ لوگوں پر نکتہ چینی کرنا

۱۷۔ منافقت اور دروئی سے کام لینا

۱۸۔ جھوٹی تعریف کرنا

۱۹۔ گفتگو اور بیان کے وقت معمولی غلطیوں سے غفلت

۲۰۔ عوام کا پیچیدہ عقائد کے بارے میں سوال کرنا جو ان کی سمجھ سے بالاتر

ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ غزالی نے یہ جو چند اشتباہات اور اخراج شمار کرائے

ہیں زبان کے متعلق ان اہم برائیوں کو، نظر رکھا ہوگا، ورنہ زبان کے عیوب اور بھی بہت سے

ہیں جن کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ جیسے یہ امور مذکورہ بھی زبان و بیان ہی سے متعلق

ہیں، ملاحظہ فرمائیں:-

۱. تمہت لگانا
۲. جھوٹی گواہی دینا
۳. اپنی تعریف کرنا
۴. برائیوں اور جھوٹی دُوبے اساس باتوں کا پروپیگنڈہ کرنا
۵. گفتگو میں غصہ اور تمہی سے کام لینا۔
۶. مہل اصرار کرنا (جیسا بنی اسرائیل کرتے تھے)
۷. گفتگو سے دوسروں کو اذیت پہنچانا۔
۸. ناحق کسی کی مذمت کرنا
۹. زبان سے کفرانِ نعمت اور ناشکری کرنا
۱۰. باطل کی تردید اور گناہ کی طرف تشویق کرنا

اس کے بعد بھی زبان کے سارے گناہ انہیں پر منحصر نہیں ہیں، اس سے زبان کی اہمیت بخوبی واضح ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ گناہ جو ذکر کئے گئے ہیں بعض کو دوسرے بعض گناہوں کے تحت حساب کیا جائے، مثلاً جھوٹے وعدے اور جھوٹی گواہی کو مطلقاً جھوٹ کے تحت رکھا جائے۔ اسی طرح بعض گناہ اسے ذکر کیے گئے ہیں جو زبان سے منحصر نہیں ہیں جیسے غیبت یا ایذا رموں، کفرانِ نعمت وغیرہ جو زبان اور غیر زبان دونوں ہی سے مربوط ہیں۔

لیکن جو بات یقینی ہے وہ یہ کہ مسئلہ زبان کی اصلاح اخلاقی مسائل میں انتہائی اہم درجہ رکھتی ہے لہذا اسے زیادہ موردِ مطالعہ و بحث قرار دینا چاہئے۔

اس موضوع کی اہمیت اس وقت اور بھی روشن نظر آتی ہے جبکہ ہم اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ زبان انسان کے پاس بہت آسان اور بہت ہی

سادہ دستاویز و سرمایہ ہے جو اس کے اختیار میں ہے اور اس کی سرعتِ عمل کا کسی چیز سے تقاضہ نہیں کیا جاسکتا، لہذا چاہئے کہ اچھی طرح اس سے باخبر رہے یہاں پر اگر زبان کو ایم بی ایم سے تشبیہ دی جائے جو کہ کافی قوت رکھنے کے ساتھ ساتھ بہت جلد بھٹ جانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو یہ تشبیہ بہت مناسب ہوگی کیونکہ زبان کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے لہذا انسان کو چاہئے کہ جس طرح ایم بی ایم جیسی مہلک چیزوں سے ہوشیار رہتا ہے اسی طرح اس حساس عضو سے بھی ہوشیار رہے۔

خاموشی اور سکوت

انسان کے لئے ضروری ہے کہ ان خطروں کی طرف متوجہ رہے جو زبان کو آزاد رکھنے کی بنا پر پیدا ہو سکتے ہیں۔ علماء اخلاق نے خاموشی کو خطروں سے بچنے کے اسباب میں سے شمار کیا ہے، ان موارد کے لئے جہاں گفتگو کوئی ضرورت نہ ہو۔ اور اس کے متعلق بہت سی روایات پیغمبر اکرم ص اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں جس سے سکوت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اسی وجہ سے بعض علماء اخلاق نے موضوع اخلاق کو اسی بحث سے شروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ سکوت خود انسان کو ایک حالتِ تفکر و روحانیت اور روشن فکری عطا کرتا ہے جو خود قابلِ توجہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ جب اپنے مسلسل تین روز تک سکوت اختیار فرمایا اس وقت آپ کو بیٹے کی بشارت دی گئی اور ان کی دعا مستجاب ہوئی۔

قال ایتاک ان لا تکلم الناس ثلاث

لیال سویا

(مرہم - ۱۰)

ارشاد ہوا، کہ اس کی علامت یہ ہے کہ تم تین رات تک کسی سے بات نہیں کرو گے

اور جناب مریم کو خاموشی کا روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔

فقولی ائی نذرت للرحمن صوما فن اکلم

الیوم انسیاء (مریم آیتہ ۲۶)

"کہہ دیجئے کہ میں نے نذر کی ہے کہ خدا کے لئے روزہ رکھوں لہذا میں آج کسی سے نہیں بولوں گی۔"

پیغمبر اکرم ص کے حالات میں بھی لگتا ہے کہ آپ نزول وحی سے قبل مسلسل کئی دن تک غار حراء میں جا کر سکوت اور فکر کے عالم میں رہا کرتے تھے، اور روزِ خلقت کے بارے میں محوِ مطالعہ رہتے تھے۔

سکوت کے فوائد بطور خلاصہ ان چند امور میں ذکر کیے جاتے ہیں:-

۱۔ سکوت انسان کو بہت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے، جس کی وضاحت

پیغمبر اکرم ص نے دو لفظوں میں یوں فرمائی ہے:

"من صمت نجاً (جس نے سکوت اختیار کیا نجات پائی) لہ

اس کا سبب بھی واضح ہے کیونکہ اکثر گناہ زبان ہی سے سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ غمّی مرتبت ص ہے:

"اکثر خطایا ابن آدم فی اللسان" (انسان کے اکثر اشتباہات کا

سرچشمہ زبان ہے) لہ

اور تیسری حدیث میں یوں ارشاد ہو رہا ہے:-

"أخزن لسانك إلا من الخیر فانك بذالك

تغلب الشیطان" لہ

لہ لہ لہ محجة البيضاء جلدہ

"اپنی زبان کو نیک باتوں کے علاوہ محفوظ رکھو، کیونکہ اس کی وجہ سے تم

شیطان پر غالب ہو سکتے ہو۔"

۲۔ سکوت اور خاموشی انسان کو غور و فکر کی طرف دعوت دیتی ہے جس میں

انسان کی معنوی زندگی کی ارتقار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاموش لوگ عام طور سے مفکر با استعداد اور باعمل ہوتے ہیں برخلاف ان لوگوں کے جو بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں جن کی اکثریت بے استعداد اور بے عمل ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اسلام سے مروی ہے:-

اذا رایتم المرء من صموتاً وقوراً فادنو امنہ

فانہ یلقن الحکمة لہ

"جس وقت کسی مومن کو ساکت اور باوقار دیکھو اس کی قربت اختیار

کر دو، تمہیں حکمت کی تعلیم دے گا۔"

اور حضرت علیؓ سے منقول ہے:-

اذا تم العقل نقص الكلام لہ

"جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں؛

مکن ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ گفتگو کے وقت کلام کرنے والے کی

زیادہ ترقوت فکر صرف ہو جاتی ہے۔ اگر یہی فکری صلاحیتیں ذخیرہ ہوتی رہیں، تو

ایک عظیم فکری سرمایہ اکٹھا ہو سکتا ہے اور اس کے ذریعے بڑے اور اہم حقائق رونما

ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود سکوت خود اطمینانِ روح اور جذبات و احساسات

لہ المحجة البيضاء جلدہ

لہ نھج البلاغہ کلمات خصار

کے معتدل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

۳۔ سکوت کے برعکس زیادہ باتیں کرنا انسان کو لابلای بنا دیتا ہے کیونکہ اس سے انسان کی نفسی بڑھتی ہیں اور اس کی حیا کم ہو جاتی ہے۔ اور جب حیا کا پروردہ چاک ہو جاتا ہے تو گناہ کی اہمیت اس کی نظروں میں کم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

من کثر کلامہ کثر خطائہ ومن کثر
خطائہ قل حیاہ ومن قل حیاہ قل
ورعہ ومن قل ورعہ مات قلبہ ومن
مات قلبہ دخل النار لہ

”جو زیادہ باتیں کرتا ہے اس کی خطائیں زیادہ ہوتی ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اس کی حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہوتی ہے اس سے خوف خدا کم ہو جاتا ہے اور جس کا زہد و تقویٰ کم ہو جاتا ہے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور جس کا دل مردہ ہو جاتا ہے وہ دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے“

شاید اسی وجہ سے سکوت کو اہم ترین عبادات سے شمار کیا گیا ہے:۔

العبادة عشرة اجزاء تسعة منها في الصمت

”عبادت کے دس حصے ہیں جس کے نو حصے سکوت میں ہیں“

لیکن یہ بات میاں پر قابل توجہ ہے کہ سکوت گوشہ نشینی کے مانند نہیں ہے جس کا مقصد محل گناہ سے دوری ہو بلکہ سکوت خود گناہ سے بچنے کا نام ہے اور ان مقامات پر

جہاں انسان غیبت اور جھوٹ وغیرہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اگر وہاں پر سکوت اختیار کرے تو علاوہ ان گناہوں سے بچنے کے ایک فضیلت کا مالک ہو سکتا ہے۔

اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ ایسے مقامات جہاں پر بولنا ضروری ہے سکوت کو گناہ اور بدترین عیب شمار کیا گیا ہے اور اسے علامت بزدلی نا توانی ضعف رُوح اور غیر خدا سے ڈرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ جس طرح بہت سے گناہ زبان ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔ بہت سی نیکیاں اور اہم عبادات بھی زبان ہی کے ذریعے انجام پاتی ہیں جیسے نماز اور ذکر خدا تعلیم و تربیت و عطا و نصیحت لوگوں کی ہدایت وغیرہ زبان ہی کی مرہونِ منت ہے۔

سچائی شرافت کی روشن ترین علامت

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دو صفیں سچائی اور امانت داری شرافت کی واضح ترین نشانیاں ہیں بلکہ ان دو صفوں کے بغیر کسی کو انسان کہنا بھی صحیح نہ ہوگا، اور یہ دونوں اصل میں ایک درخت کی دو شاخوں کی مانند ہیں کیونکہ سچائی نام ہے زبان کی امانت داری کا اور امانت داری نام ہے عمل کی صداقت کا، اور ان دونوں کے اجتماعی آثار بھی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، جیسا کہ آنے والی بحثوں سے واضح ہو جائے گا۔

اور شاید اسی وجہ سے رہبران اسلام علیہم السلام کی حدیثوں میں صدق حدیث اور آراء امانت یعنی سچائی اور امانت داری کا ذکر ساتھ ہی ساتھ ملتا ہے۔ اور عام طور سے گفتگو میں بھی صداقت و امانت ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے

سچائی کی اہمیت اور منزلت

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ سچائی اور امانت داری انسان کی شرافت و عظمت و فخر اور اس کی پاکیزگی و روح کی دور روشن نشانیاں ہیں۔

سچے لوگ عموماً شجاع، صاف گو، مخلص اور آسودہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے تعصب اور افراتو فریب سے مبرا ہوتے ہیں اور سچائی بغیر ان صفات کے پائی بھی نہیں

سچائی

شرف و امانت

- ان آیت و احادیث سے
- جو سچائی کی اہمیت
- و امانت داری کی
- اہمیت کو ثابت کرتی ہیں
- ان آیت و احادیث سے
- جو سچائی کی اہمیت
- و امانت داری کی
- اہمیت کو ثابت کرتی ہیں
- ان آیت و احادیث سے
- جو سچائی کی اہمیت
- و امانت داری کی
- اہمیت کو ثابت کرتی ہیں

جاسکتی۔ اس کے برعکس جھوٹے لوگ عام طور سے بزدل، ریاکار، خلیص، متعصب، بے حیا اور اعتدال سے خالی ہوا کرتے ہیں۔

سچے لوگوں کی زندگی با اصول اور منظم ہوتی ہے یہ لوگ وقت کے دھارے سے متاثر نہیں ہوتے اور فریب کاری، چالپوسی اور منافقت سے بری ہوتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں سچائی کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

اور جیسا کہ جھوٹ کے منہر اثرات، اکی وضاحت کے سلسلے میں ذکر کیا جائے گا کہ یہ صفت انھیں مذکورہ رذائل کی دین ہے جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا، اسی بنا پر سچائی کو ان کے باطن کی کنجی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں میں سچائی کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے، انسان کی معرفت کا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: —————

لا تنظروا الی طول رکوع الرجل وسجودہ
فان ذلک شیء قد اعتادہ ولو ترکہ استوحش
لذلک ولكن انظروا الی صدق حدیثہ و
اداء امانتہ۔ لہ

”کسی کے لمبے لمبے سجدوں اور رکوع پر مت جاؤ کیونکہ ممکن ہے کہ عادت کی بنا پر ایسا کرتا ہو اور ترک عادت موجب مرض ہے اور آج چھوڑنے سے اسے وحشت ہوتی ہو، بلکہ اس کی صداقت اور امانتاری کی طرف دیکھو“

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے: — ولتعرفنہم فی لحن القول —

لہ سفینۃ البحار، نقل از کتاب کافی لہ سورہ محمد ۲۹

”منافقوں کو ان کی طرز گفتار سے پہچانو“

سچائی کے اعجاز نما آثار

اجتماعی اور سماجی نقطہ نظر سے سب سے عظیم اور اہم خدمت جو سچائی اور امانت داری کی دین ہے وہ حصول اطمینان و اعتماد ہے اور یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ تمام علمی، صنعتی اور اقتصادی ترقیاں اجتماعی زندگی کی دین ہیں لیکن آپسی تعاون و ہم فکری جو اجتماعی زندگی کی روح ہے اسی وقت حاصل ہوگی جب لوگ آپس میں ایک دوسرے پر پورا پورا اعتماد و اطمینان رکھتے ہوں، اس کے بغیر اجتماعی زندگی بے شمار مشکلات اور اخلاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گی اور بجائے مفید ہونے کے ایک درد منہن جائے گی۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اعتماد و اطمینان حاصل کرنے کا اہم ترین ذریعہ سچائی اور امانت داری ہے اور خطرناک دشمن جھوٹ ہے۔ اگر کارخانے اور فیکٹری دالے اپنے کسی مال کی غلط اور جھوٹی تعریف کرنا شروع کر دیں تو ان کے بہترین مال کے بارے میں بھی لوگ اطمینان نہیں کر سکتے۔

اگر سربراہان مملکت جھوٹے ہوں تو لوگوں کی نظر میں ان کے وعدوں اور دھمکیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی جس کے نتیجے میں وہ اپنی ملت کی بے پناہ طاقت اور پشت پناہی سے محروم ہو جائیں گے۔ (اسی طرح اگر علمی تحقیقات اور درس و تدریس میں جھوٹ رائج ہو جائے تو کوئی طالب علم کسی معلم اور مفکر کی بات پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ جس کے نتیجے میں تمام تحقیقات اور علمی کتب میں مہل اور بے فائدہ ثابت ہوں گی اور کسی چیمپز کی تحقیق کے لئے تنہا ہر شخص کو بے انتہا زحمات برداشت کرنی پڑیں گی، اور لوگوں کی ہزاروں سال کی زحمت کے بعد حاصل شدہ علمی اور فکری سرمائے اس کے لیے بے فائدہ قرار پائیں گے اور یہ جھوٹ کی سب سے بدترین قسم ہے۔

جھوٹ گناہوں کی کنجی

معدروایات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ سچائی و امانت داری عمل کی پاکیزگی کا سبب اور جھوٹ گناہوں کی کنجی ہے۔
ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے لئے اس حقیقت کا سمجھنا مشکل ہو کہ سچائی اور جھوٹ کس قدر انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس نکتے کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور سب سے پہلے ان روایات سے بحث کی جائے۔ جو اہلبیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: —
الصدق یهدی الی البر والبر یدعو الی الجنت^۱
”سچائی لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتی ہے اور نیکی بہشت میں لے جانے والی ہے“

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: —
اذا صدق العبد قال اللہ صدق وبراذا کذب
قال اللہ کذب و فجر یہ

”جب کوئی سچ بولتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ اس نے سچ کہا اور اچھے کام انجام دیئے اور جس وقت جھوٹ بولتا ہے خدا فرماتا ہے کہ جھوٹ بولا اور اس نے بُرے کام انجام دیئے“

۳۔ امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: —

جعلت الخباثت کلھا فی بیت وجعل

مفتاحها الکذب بلہ

”تمام برائیوں کو ایک کمرے کے اندر قرار دیا گیا ہے جس کی کنجی جھوٹ ہے“

اس حدیث سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ جھوٹ تمام برائیوں اور گناہوں کی کنجی ہے۔
اب آئیے ان کی عملی زندگی میں جھوٹ اور سچ کے آثار کو تلاش کریں۔

۱۔ جھوٹ سرچشمہ منافقت

سچائی زبان اور دل کے اتحاد و اتفاق اور جھوٹ ان دونوں کے اختلاف اور تضاد کا نام ہے اور یہیں سے انسان کے ظاہر و باطن میں فرق شروع ہو جاتا ہے اور جھوٹ انسان آہستہ آہستہ مکمل نفاق کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔

فاعقبہم نفاقا فی قلوبہم الی یوم یلقونہا بیما
اخلفوا اللہ ما وعدہ و بیما کانوا یکذبون^۲
۲۔ جھوٹ بہت سی برائیوں کا مرکز

بہت سے گناہوں کا دار و مدار جھوٹ ہی پر ہے جیسے بے ایمانی، دھوکے بازی، چوری، خیانت، کم فروشی، احتکار... جھوٹے وعدے اور وعدہ خلافی ان سب گناہوں کا سرچشمہ جھوٹ ہے اور ایسے لوگوں کا کاروبار بغیر جھوٹ کے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۳۔ حاسد لوگ اپنے حسد کی آگ بجھانے کے لئے مغرور اپنی بے جا بڑائی اور بزرگی ثابت کرنے کے لئے چاچا لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے لالچی اور دنیا پرست

اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے عام طور سے جھوٹ ہی پر تکیہ کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ محسود کو لوگوں کی نظر میں ذلیل و حقیر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی کے ذریعہ اپنے کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی کے ذریعہ طرح طرح کی چالوں سیالیاں اور خوشامد کر کے اپنی حریص رُوح کو قانع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ جو شخص سچائی کے راستہ پر گامزن ہے وہ خود بخود اپنی اس صفت کی بنا پر بہت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ اسے یہ فکر ہوتی ہے کہ اگر کسی نے مجھ سے اس گناہ کے بارے میں سوال کر لیا تو اس کا سچا جواب اس کے لئے رسوائی کا سبب بنے گا، لہذا اس ذلت اور رسوائی سے بچنے کے لئے ہمیشہ ایسے افعال سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور اس کی سچائی اسے بہت سے گناہوں سے روکتی ہے۔

۵۔ ایک جھوٹ بکسا اوقات بہت سے گناہوں کا سبب بنتا ہے کیونکہ

زیادہ تر جھوٹ بولنے والے ایک جھوٹ کی توجیہ کرنے کے لئے درجنوں جھوٹ بول ڈالتے ہیں، یا اس جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسرے بہت سے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔!

اس توضیح کے بعد یہ بات روشن ہو گئی کہ اگر انسان واقعا سچائی کو اپنالے، تو خود بخود بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے کیونکہ اکثر گناہوں کا سرچشمہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ ہی فرار پاتا ہے۔ بغیر جھوٹ کے گناہوں کا باز اگر ہم نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ تمام گناہوں کی کنجی ہے اور سچا انسان بہ حال گناہوں سے بچنے پر مجبور ہے۔

جھوٹ اور ایمان میں تضاد

بہت سی روایات اس مطلب پر شہد ہیں کہ جھوٹ اور ایمان دو متضاد

چیزیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بلکہ جھوٹ کو علامت قرار دیا گیا ہے، عدم ایمان کی اور ان روایات کا منبع بھی قرآن کریم ہے جیسا کہ ارشاد ہے: —

انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بأیات اللہ واولئک ہم الکذبن ط

”وہی لوگ جھوٹ بولتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں“

ممکن ہے یہاں یفتری الکذب سے مراد تعدد الکذب ہو۔ اب یہاں پر ان بعض روایتوں کو ملاحظہ فرمائیں: —

(۱) سئل رسول اللہ ص یكون المؤمن جباناً؟ قال نعم، قیل ویكون بخیلًا؟ قال نعم، قیل ویكون كذاباً؟ قال لا۔ ط

”رسول خدا ص سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، پوچھا گیا کہ بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے، پھر سوال کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔!“

(۲) قال امیر المؤمنین لایجد العبد طعم الايمان حتى یترك الکذب هزل، وجدہ۔ ط

”امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان ایمان کے ذائقے کو نہیں

۱۔ سورہ نحل آیت ۱۰۵

۲۔ جامع السعادات جلد ۲ ص ۳۲۲

۳۔ جامع السعادات جلد ۲ ص ۳۲۲

چھ سکتا جب تک کہ جھوٹ کو مٹا دیا جائے۔

(۳) وعنه عليه السلام: جانبوا الكذب فانها مجانبا

للايمان يله

"جھوٹ سے رُوئی اختیار کر دیکو، کیونکہ جھوٹ ایمان کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان والے جھوٹ سے دُور رہتے ہیں۔

شاید اس کا سبب قلبی تاریکی کے علاوہ یہ بھی ہو کہ جھوٹے لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر بھی بہت کم ایمان لاتے ہیں کیونکہ جھوٹ ان کے وجود میں اس قدر سرایت کر جاتا ہے کہ وہ معمولی سے معمولی باتوں میں بھی جھوٹ کے علاوہ سچ نہیں بولتے، اس وجہ سے ان کے لئے یہ بات قابل تصور ہی نہیں ہوتی کہ وہ یقین کر لیں کہ انبیاء علیہم السلام اتنی اہم باتوں میں سچائی سے کام لیں گے۔

لہذا یہ تو ممکن ہے کہ ایسے لوگ مومنین کی صفوں میں آکر شامل ہو جائیں لیکن جب ان کے دلوں کا جائزہ لیں گے تو ان کے یہاں ایمان کا نام و نشان بھی نہ پائیں گے بلکہ اکثر شک و تردید میں مبتلا پائیں گے۔

البتہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو جھوٹ ہی کو اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں جنہیں روایات میں کذاب کہا گیا ہے۔

سچے لوگ اس کے برعکس ہر بات کو آسانی سے مان لیتے ہیں چونکہ خود ہمیشہ سچ بولتے ہیں لہذا جو بات بھی سنتے ہیں اسے سچائی ہی پر محمول کرتے ہیں اور قرآن مجید کی اصطلاح میں "اٰذِن" یعنی بہت جلد کسی بات کو مان لینے والے ہیں سوائے ان باتوں

کے جس کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے۔

جھوٹے افراد عام طور سے تمام لوگوں کو بڑگمانی اور بُرائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہر چیز کو غلط اور خلاف حقیقت تصور کرتے ہیں، یا کم از کم مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں ایسے لوگ ممکن نہیں ہے کہ شک و تردید کو جھوٹ کر مستحکم ایمان و یقین کے درجے پر فائز ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں جھوٹے گمراہ اور منافق لوگ اکثر ان کی طرف جھوٹ کی سبقت دیتے رہے ہیں۔

اور قیاس نفس کا تعلق انسان کے قلبی حالات سے ہے جس کے ذریعے سے بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

جھوٹ انسان کو لایابی بنا دیتا ہے

جھوٹا انسان یہ تصور کرتے ہوئے بہت دظائف کو ترک کر دیتا ہے کہ وہ اس کی جھوٹی توجیہ کر کے مواخذہ سے بچ سکتا ہے، ایسے انسان کے لئے عہد و پیمان کا پابند نہ رہنا وقت کی پابندی نہ کرنا، یا دظائف کو انجام نہ دینا آسان ہے کیونکہ ان امور کے ارتکاب کے بعد جھوٹے اور بنا دہی عذر پیش کر کے اپنے کو مواخذہ اور سرزنش سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو لوگ سچائی اور ایمان داری کے پیرو ہیں وہ مجبوراً ہیں کہ ان تمام امور کے پابند ہوں، لہذا کبھی لایابی نہیں ہو سکتے۔

جھوٹا انسان اپنے اوپر بھی اعتماد نہیں رکھتا

جھوٹ بولنے والے نہ صرف یہ کہ دوسروں پر بھروسہ نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ سب کو اپنے نفس پر قیاس کرتے ہوئے جھوٹا سمجھتے ہیں، بلکہ یہ لوگ اپنے اوپر بھی اعتماد نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کی واقفیت اور حقیقت کے بارے میں بڑگمانی سے کام لیتے ہیں اسلئے

یہ لوگ اپنی قدرت و صلاحیت کا بھی صحیح اندازہ لگانے سے قاصر ہیں کہ وہ حوادث کے مقابلے میں کتنی استقامت دکھانے میں اور کتنا حوصلہ رکھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ایاک و مصادقہ الکذاب فانہ کالسراب یقرب
علیک البعید و یبعد علیک القریب۔

”جھوٹوں کی دوستی سے بچو، اس کی مثال سراب (ریت) جیسی ہے کہ
دُوری کو تمھارے لئے نزدیک بنا کے پیش کر دے گا اور نزدیکی کو دوری
ثابت کر دے گا“

اگرچہ یہ صفت یعنی حقائق کو مخرف کر کے پیش کرنا، جھوٹے مصاحبین کے بارے میں بیان
کی گئی ہے لیکن جھوٹ کا عادی ہو جانے کے بعد ہر جھوٹ بولنے والے میں یہ صفت پیدا
ہو جاتی ہے اور یہ لوگ حقائق کے بارے میں ہمیشہ بدگمانی سے کام لیتے ہیں چاہے اپنی ہی
ذات سے متعلق کہیں نہ ہو اور یہ انسانی زندگی کے لیے خطرناک مرض ہے۔

جھوٹ کا سرچشمہ

جھوٹ کا سبب عام طور سے مندرجہ ذیل روحانی کمزوریاں ہوتی ہیں جیسا کہ اس
سے پہلے ہی اشارہ کیا گیا، ڈر و خوف، فقر و فاقہ، طرفداروں کی قلت، عہدے اور ریاست
کی فکر، مال و منصب سے شدید لگاؤ جیسی کمزوریاں انسان کو جھوٹ بولنے پر آمادہ
کرتی ہیں اور انسان ان کیوں کو پورا کرنے کے لئے اس ناجائز وسیلہ یعنی جھوٹ کا سہارا
لیتا ہے اور کبھی کبھی تعصب یا محبت و عداوت کی زیادتی و افراط انسان کو جھوٹ بولنے
پر مجبور کرتی ہے۔

اور ان سبب خطرناک وہ جھوٹ ہے جو انسان علمی اور تحقیقی مسائل میں اپنے کو

علامہ دہر ثابت کرنے کے لئے بولتا ہے۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ تمام روحانی کمزوریاں انسان کو بدترین صفت
یعنی جھوٹ کی طرف دعوت دینے والی ہیں، ان کا اصل سبب انسان کی ایمانی
کمزوری ہے۔

جو لوگ اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتے ہیں اور ضعیف رُوح کے مالک ہیں، وہ حوصلہ
مقاصد اور نقصانات سے بچنے کے لئے جھوٹ، فریب اور خیانت وغیرہ کو وسیلہ قرار دیتے
ہیں، برخلاف ان لوگوں کے جنہیں اپنی شخصیت پر پورا اعتماد ہے اور قوی ہیں، یہ ہمیشہ
اپنی کامیابیاں اپنی شخصیت میں تلاش کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ صاحبان ایمان جو خداوند متعال کی بے انتہا قدرت کے متقصد ہیں،
اور تمام نعمتوں اور سعادتوں کا سرچشمہ ارادہ خداوندی کو جانتے ہیں اور اس کی قدرت و حمایت
کو ہر قدرت و حمایت سے بالاتر سمجھتے ہیں، یہ لوگ کبھی کسی مقصد کے حصول یا دفع ضرر کے
لئے غلط اور ناجائز ذرائع کا سہارا نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ جھوٹ اور جھوٹے طریقوں سے
بچتے ہیں۔

البتہ کبھی کبھی جھوٹ کے نقصانات سے غفلت اور سچائی کی اہمیت سے بے خبری
یا لگہ سہلج اور دوستوں کا غلط ماحول انسان کو اس خطرناک صفت کا عادی بنا دیتا ہے۔
ان میں احساس کمتری اور حقارت کا وجود بھی کبھی اسے جھوٹ بولنے پر مجبور
کر دیتا ہے تاکہ وہ جھوٹ کے ذریعہ اپنی اس کمی اور ذلت کا جبران کر سکے۔

جھوٹ سے بچنے کے ذرائع

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جھوٹ کے اسباب کیا ہیں اور کون کون سے صفات ہیں جو
اس خطرناک صفت کو قوی اور پائیدار بنانے میں موثر ہیں، اس کا علاج بھی کافی آسان ہو جاتا ہے،

اس روحانی بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل طریقوں کو اپنانا چاہئے۔

۱۔ سب سے پہلے ایسے لوگوں کو جھوٹ کے دردناک نتائج اور بدترین اثرات مادی و معنوی شخصی و سماجی کی طرف متوجہ کرنا، اور آیات قرآن کریم اور اقوال ائمہ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں جھوٹ کے فرضی فوائد اور اس کے مفسد کا موازنہ کرتے ہوئے انہیں اس حقیقت کا یقین دلایا جائے کہ جھوٹ کے وقتی اور فرضی فوائد اور اس کے بے شمار مفسد کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ اگر کہیں کہیں جھوٹ کی وجہ سے شخصی منفعت بھی ہوتی ہے تو وہ فائدہ وقتی اور جلد ہی ختم ہو جانے والا ہے کیونکہ معاشرہ میں زندگی گزارنے والے انسان کے لئے (چاہے وہ کسی جگہ یا سوسائٹی کا رہنے والا ہو) لوگوں کے اعتماد و وثوق سے بڑھ کر کوئی سرمایہ نہیں ہے جس کا سب سے بڑا دشمن یہی جھوٹ ہے۔

یہاں اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ بعض لوگوں کا تصور یہ ممکن ہے کہ انسان اس طرح جھوٹ بولے کہ وہ فاش نہ ہونے پائے اگر اعتماد و وثوق بھی باقی رہے، یہ بہت بڑا اشتباہ ہے کیونکہ تجربہ اور شاہدہ اس کے خلاف ہے۔

اکثر جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ فاش ہی ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حادثہ بھی واقعاً رونما ہوتا ہے مکان زمانہ اشخاص اور دوسرے حادثات سے کسی نہ کسی طرح مرتبط ہوتا ہے لیکن فرضی اور جھوٹا حادثہ ان تمام حالات و روابط سے خالی ہوتا ہے اور جو شخص جھوٹے حادثے کا موجد ہے اسے ان امور کی طرف توجہ نہیں ہوتی اگر بہت ہوشیار بھی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ چند جھوٹ اور گڑھ لے گا تا کہ اس کی مدد سے جھوٹے حادثے کو واقعی ثابت کر سکے لیکن یہ بات اس کے امکان سے باہر ہے کہ وہ تمام مرتبط حالات و روابط کے بارے میں پہلے سے غور و فکر کر کے اقدام کر لے۔ لہذا ایسا انسان چند مختلف سوالوں اور جرح کے بعد خود ہی اس جھوٹے حادثے کی توجیہ سے عاجز ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت علی علیہ السلام کا وہ بہترین فیصلہ جو آپ نے ایک نوجوان کے بارے

میں فرمایا جس کا باپ کافی مال و اسباب کے ساتھ ایک مسافر میں گیا تھا، واپسی میں اس کے مسافروں نے اسے قتل کر دیا اور دعویٰ کیا کہ وہ راستے میں انتقال کر گیا۔

یہ اتہام لگانے والے دراصل اس کے قائل تھے، حضرت علی علیہ السلام نے ان سے مختلف سوالات کرنا شروع کر دیے، اس کی بیماری کے بارے میں انتقال اور دفن و کفن اور ان کی جزئیات کے بارے میں، تو وہ لوگ فوراً ذلیل و رسوا ہو گئے، کیونکہ ان لوگوں نے تو یہ طے کر لیا تھا کہ سب اتفاقاً طور پر کہہ دیں گے کہ بیمار ہو کر انتقال کر گیا، لیکن کب اور کتنے بجے، کس مقام پر اس نے انتقال کیا، کس نے اس کو غسل و کفن دیا، کس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان جزئیات کے بارے میں ان لوگوں نے پہلے سے سوچا ہی نہیں تھا، اور نہ ان کے امکان میں تھا کہ ان سارے جزئیات کے بارے میں پہلے سے طے کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے والا کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو، ایک معمولی سی جرح اور تحقیق کے بعد اس کا جھوٹ فاش ہو جاتا ہے، اور جھوٹے لوگ فرضی واقعے کی توجیہ کے لئے جو بھی جھوٹ گڑھتے ہیں اس میں چونکہ واقعیت نہیں ہوتی لہذا جلد ہی ذہن سے نکل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کچھ ہی مدت کے بعد ان سے اس واقعے کے بارے میں سوالات کیے جائیں تو ان کے بیان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بات برقرار نہیں رکھ سکتے اور یہی اختلاف اور تضاد ان کے جھوٹ کو ثابت کر دیتا ہے اور یہ مثل بھی کافی مشہور ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد" (جھوٹا شخص حافظہ نہیں رکھتا) اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کتنا ہی قوی حافظہ کا مالک کیوں نہ ہو چونکہ جھوٹ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی لہذا وہ اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ حافظہ میں رہ سکے۔

۲۔ حِسَّ جَاہِ طَلَبِی

جھوٹ سے بچنے کے لئے دوسرا موثر اقدام حِسَّ طَلَبِی کی صحیح تسکین ہے۔ کیونکہ اس کی عدم تسکین انسان کو جھوٹ بول کر فرضی جاہ و منصب کے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔

اور اس غلط راستے سے انسان اپنی اس کمی کو دور کرنا چاہتا ہے۔ اگر انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ ان کے وجود میں خود ایسی توہین اور صلاحیتیں موجود ہیں کہ اگر انہیں رو بہ کار لایا جائے تو خود بخود معاشرہ میں بہترین عزت و مقام حاصل ہو سکتا ہے اور اسے جھوٹ بول کر جھوٹے اور فرضی منصب و مقام کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور ان لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہئے کہ ایک سچا انسان اپنی سچائی کی بنا پر پورے معاشرہ کی نظر میں محترم اور قابلِ اطمینان و اعتماد ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا منصب اور سرمایہ معنوی ہے جس کے سامنے دنیا کے تمام مادی سرمائے بے قیمت ہیں کیونکہ اطمینان و اعتماد کی اس منزل پر فائز ہونے والا انسان ہر طرح کے مادی وسائل بھی حاصل کر سکتا ہے اور لوگوں کی نظر میں محترم ہونے کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی بارگاہ میں بھی اس کا وہ درجہ و مقام ہے جو انبیاء و شہداء کا درجہ ہے کیونکہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں سچے لوگوں کا ذکر انبیاء علیہم السلام اور شہداء راہِ خدا کے ساتھ کیا ہے پناہ پختہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَافِقًا لَهُ

”جو لوگ خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کی نعمتیں نازل ہوئی ہیں اور یہی لوگ بہترین مصاحب ہیں“

فاضل معروف راغب اصفہانی نے اپنی کتاب مفردات میں حدیث کے چند معنی ذکر کیے

ہیں اور وہ سبھی ہمارے دعوے کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) صدیقی: جو زیادہ سچا ہو (۲) جو کبھی جھوٹ نہ بولے (۳) جو عقیدہ و زبان دونوں کے اعتبار سے سچا ہو اور اس کا عمل اسکی صداقت کی تصدیق کرتا ہو۔

۳۔ جھوٹ سے بچنے کی تیسری تدابیر

اس گناہ سے آلودہ افراد کے دلوں میں عقیدہ خدا کی تقویت کرنا اور انہیں توحید دلانا کہ قدرت خدا کی تمام قدرتوں سے بلند و بالا ہے اور خداوند عالم ان تمام مشکلات کے حل کرنے پر قادر ہے جن کے لئے ضعیف الاعتقاد انسان جھوٹ کا سہارا لیتا ہے جبکہ سچا انسان ہر مشکل و مصیبت میں خدا ہی کا سہارا لیتا ہے اور اسے ہر حال میں اپنا پشت پناہ سمجھتا ہے، حالانکہ جھوٹا انسان ان موقعوں پر یکہ و تنہا ہوتا ہے۔

۴۔ ان تمام بُرائیوں کو اپنے سے دور کرنا جو جھوٹ کی نشوونما کا سبب قرار پاتی ہیں جیسے حرص، بزدلی، خود غرضی، حد سے زیادہ دوستی یا دشمنی وغیرہ ان بُرائیوں سے اپنے کو پاک کرتے تاکہ بہترین صفت انسان کے اندر پرورش نہ پاسکے۔

۵۔ اس گناہ میں لوٹ لوگوں کے ماحول اور معاشرہ کو جھوٹے افراد سے پاک کر کے انہیں سچائی کے ماحول میں رکھا جائے تاکہ سماج کے پاکیزہ ماحول کو دیکھ کر وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے کو اس بُرائی سے پاک کر سکیں۔

اور معاشرہ کی اصلاح اسلامی احکام تربیت میں اتنی ہی زیادہ اہم ہے کہ مولانا مفتیان حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يَصِلُ الْكَذِبُ جَدًّا وَلَا هَزْلًا وَلَا انْ يَعْدُ أَحَدُكُمْ صَبِيًّا ثُمَّ لَا يَفِي لَهُ لَهْ

یعنی مزاحاً بھی جھوٹ نہ بولے اور اپنے چھوٹے بچوں تک سے وعدہ خلافی سے

کام نہ لے۔“ والدین اگر واقعی اس قدر محتاط ہوں کہ وہ چھوٹے چھوٹے وعدے جو بچوں سے کرتے ہیں اس میں بھی سچے ہوں تو اولاد کے چھوٹے ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

جھوٹ کے استثنائی موارد

بزرگ فقہاء اور علماء اخلاق نے اس موضوع کی افادیت سے استفادہ کرتے ہوئے بعض مقامات پر جھوٹ کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے بعض خلاصہ کر کے دو موارد ذکر کیے ہیں: —

۱۔ حالت اضطرار میں

۲۔ مومنین کے درمیان صلح و مصالحت کی غرض سے۔

پیغمبر اکرم ص سے منقول ہے: اٰحلِفُ بِاللّٰهِ كَاذِبًا وَبِخِ اٰخَالِكِ مِنَ الْقَتْلِ لِهٖ "جھوٹی قسم کھاؤ اور اپنے بے گناہ بھائی کو قتل سے نجات دو۔"

یہاں دو باتوں کی طرف توجہ رکھنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ اولاً یہ کہ ان تمام مستثنیٰ موارد کی بازگشت اصل میں صرف ایک موضوع کی طرف ہوتی ہے وہ یہ کہ جھوٹ کے مصالح و فوائد جن مقامات پر اس کے مفاسد پر غالب ہو گئے وہاں جھوٹ بولنا جائز ہے، اور یہ بات صرف جھوٹ ہی سے مختص نہیں ہے بلکہ سبھی محرمات جیسے مُردار کھانا، یتیم کو ایذا پہنچانا وغیرہ بھی حفاظتِ نفس یا تاریب وغیرہ کی غرض سے جائز ہے۔

اور جو موارد احادیث میں ذکر کئے گئے ہیں وہ بطور مثال ہیں۔

مومنین کے درمیان مصالحت کرنا اور ان کے دلوں سے کینہ و عناد کو دور کرنا اس جھوٹ سے کہیں زیادہ اہم ہے جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے اس لیے ایسی جاگ

لے منا جریح اللہ اریٰ بحث کتب

پر جھوٹ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اسی طرح حفاظتِ نفس مومنین یا عزت وغیرہ کے تحفظ یا جنگ کے موقع پر جہاں ایک جھوٹ کبھی کبھی جنگ کے خاتمے یا بہت سے مومنین کو قتل و غارت سے بچانے کا سبب قرار پاتا ہے، یا ظالم و جابر کی شکست و زلت کا سبب بنتا ہے، اسی طرح کبھی کبھی میاں بیوی کے درمیان ایسی گفتگو چھڑ جاتی ہے کہ اگر وہاں جھوٹ کا سہارا نہ لیا جائے تو جدائی یا بدترین صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مقامات پر چونکہ جھوٹ کے مصالح و فوائد اس کے فساد سے زیادہ اہم ہیں اس لیے جھوٹ کو جائز قرار دیا گیا ہے اور اگر ہم بغور ان موارد کا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان موارد میں جھوٹ کا مفسدہ اور ضرر بہت کم اور نہ ہونے کے برابر ہے۔

ب۔ دوسری بات یہاں یہ قابل توجہ ہے کہ ان موارد میں جھوٹ کا جواز بالکل اسی طرح ہے جس طرح حالت اضطرار میں مُردار چینیہ کا کھانا (اکل میتہ) کہ صرف ضرورت تک اکتفا کی جائے گی ضرورت برطرف ہوتے ہی اسی طرح حرام اور ناجائز ہوگا۔ نیز یہ کہ مستثنیٰ موارد انسان کو اس گناہ کبیرہ کی طرف سے جبری بنا دیں اور یہ بہانہ لے کر ہر معمولی سے فائدہ کے لیے جھوٹ کو جائز سمجھنے لگے۔ کیونکہ زیادہ تر اخلاقی برائیاں انہیں استنثار سے غلط فائدہ اٹھانے کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت ان مشتبہات جیسی ہے جو خطرے اور ممنوعہ منطوقوں سے منقل ہوتے ہیں اور روایات میں حمی اللہ اور حول الحمی سے تعبیر کیا گیا ہے: —

محمم اللہ حمی اللہ فمن یرتع حول الحمی یوشک

ان یقع فیہا۔ "محرمات خدا کے ممنوعہ منطوقے ہیں اور جو شخص

اپنے جانوروں کو ممنوعہ علاقہ کے قریب چرائے گا اس بات کا خطرہ ہے

کہ جانور اس ممنوعہ منطوقے میں داخل ہو جائیں۔"

غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم کی جس فصل میں جھوٹ کے مستثنیٰ موارد کے بارے

میں بحث کی ہے، اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اعمال کی فضیلت یا گناہوں سے ڈرانے کے سلسلے میں جھوٹی احادیث بنا کر پیش کرنا جائز ہے پھر لکھتے ہیں کہ یہ ایک ہوس اور باطل خیال ہے کیونکہ اس جھوٹ کے مصالح اس کے مفساد کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ بے شمار آیات اور صحیح روایتوں کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کا سبب بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تمام امکان شریعت غیر معتبر اور مشکوک ہو جائیں گے یہ

اور میری نظر میں یہ کام بالکل غیر معقول اور احمقانہ ہے اور اس کا سبب ان لوگوں کی جہالت اور بے خبری ہے کہ یہ لوگ اپنے کو خدا و رسولؐ سے بھی زیادہ اسلام کا غیر خواہ سمجھتے ہیں ان لوگوں کا یہ فعل شرمناک ہے اور اس میں سوائے نقصان و فساد کے کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس طرح کے جاہل دوستوں کا خطرہ اسلام کے لئے اس کے دشمنوں سے کم نہیں ہے۔

تور یہ کیا ہے؟

"تور یہ" "توصیہ" کے ذریعہ پر ہے۔ اس کلام کو کہتے ہیں جس کے ظاہر سے کچھ سمجھ میں آئے اور کہنے والے کی مراد کچھ اور ہو۔ فقہاء امامیہ کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ جن مقامات پر جھوٹ بولنا جائز ہے وہاں تور یہ کرنا ضروری ہے، اور جہاں تک ممکن ہو تور یہ صراحتہ جھوٹ کا مرتکب نہ ہو۔ علمائے اہل سنت کی بعض عبارتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ موضوع ان کے نزدیک بھی شہرت کا حامل ہے۔ تور یہ کے معنی یوں کیے گئے ہیں :-

تو سہ ماہی یعنی انسان کوئی کلام کرے اور اس کے واقعی معنی کا ارادہ بھی رکھتا

لہ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۳۹

لیکن وہ کلام اس طرح کا ہو کہ سننے والا اس سے کوئی دوسرا معنی سمجھے۔ جیسے کسی سے سوال کیا گیا کہ پیغمبرؐ کا بائٹھ کون تھا، اس نے جواب دیا کہ وہ شخص کہ اس کے لڑکی اس کے گھر میں تھی (یعنی زوجہ تھی) سننے والے نے یہ سمجھا کہ وہ شخص جس کی لڑکی پیغمبرؐ کے گھر میں تھی، حالانکہ کہنے والے کی مراد یہ تھی کہ وہ شخص کہ پیغمبرؐ کی لڑکی جس کے گھر میں تھی (من بنت مانی بلیت ما)

اب اس مقام پر سب سے اہم بحث یہ ہے کہ جھوٹ کی دلیلیں تور یہ کو شامل ہیں یا نہیں یعنی تور یہ بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے یا نہیں؟
اس سلسلے میں تین قول ہیں :-

۱۔ بعض کا نظریہ ہے کہ تور یہ جھوٹ نہیں ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت اس طرح کلام کرے کہ جھوٹ کے دائرہ سے خارج ہو اور یہ لوگ یوں استدلال کرتے ہیں کہ کلام کے سچ یا جھوٹ کا تعلق کلام کرنے والے کے قصد اور ارادے سے ہے اگر متکلم کی مراد صحیح اور واقعی ہوگی تو وہ کلام سچ ہوگا، اگر چہ سننے والا کچھ اور ہی کیوں نہ سمجھے، اسلئے کہ سننے والے کا اشتباہ متکلم کے کلام پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی توجیہ کے لئے جو آپ نے بت پرستوں کے جواب میں فرمایا تھا "بل فعلہ کبیر ہم ہذا، افا سئلوا ہم ان کانوا ینطقون" (بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا ہے اگر یہ بولیں تو ان سے پوچھ لو) متعدد روایات وارد ہوئی ہیں۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے دربار میں جو ان کے بھائیوں کو کہا گیا تھا کہ: "انکھ لسامرقون" (بے شک تم لوگ چور ہو) یہ تمام روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ تور یہ جھوٹ نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا قول بعض علماء کا ہے جیسے مرحوم محقق قمی کہ توریہ بھوٹ ہی کا جز ہے کیونکہ سچ اور بھوٹ کا معیار ظاہر ہے کہ کس معنی میں ظہور رکھتا ہے نہ کہ مراد تکلم۔

۳۔ دوسرے بعض علماء جیسے غزالی وغیرہ کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ توریہ بھوٹ کا مصداق تو ہے لیکن اس کا مفسدہ صریحی بھوٹ سے کمتر ہے۔

شاید اس نظریہ کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ صریحی بھوٹ میں کلام ظاہر اور مراد دونوں ہی خلاف واقع ہوتی ہیں اور توریہ میں بھوٹ کا قصد نہیں ہوتا اس لئے اس کا مفسدہ بھی بھوٹ سے کم ہے۔

توریکہ کی تازہ ترین تفسیر

یہاں ایک خاص نکتہ کی طرف توجہ دیا اس موضوع کی مشکلات کے حل کے لئے کلیدی حیثیت رکھتی ہو، وہ یہ کہ توریہ ہر خلاف ظاہر کے ارادہ کا نام نہیں ہے بلکہ صرف ان موارد کے لئے ہے جہاں کلام ذاتی طور پر ذومعنی کی صلاحیت رکھتا ہو اور ہر دو معنی مراد لیے جاسکتے ہوں لیکن ذہن ان میں سے کسی ایک ہی کی طرف متوجہ ہو جیسے جملہ ازکم لسا ر قون حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے کہا گیا کہ بیشک تم لوگ چور ہو!

اس جملہ کا معنی اول تو وہی اس وقت کی دربار کی چوری ہے لیکن اس لفظ سے سرقت قبلی بھی مراد لی جاسکتی ہے جو معنی اول کے خلاف ہے کہ تم لوگوں نے پوٹ کوان کے پردر بزرگوار سے چرایا ہے۔

یا جیسے کسی سے پوچھا جائے کہ یہ لباس تم کو فلاں نے ہدیہ کیا ہے اور وہ جواب دے کہ خدا سے عمر دے۔ سننے والا اس سے یہ تصور کرتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ ہاں خدا سے عمر عطا کرے حالانکہ اس کا ارادہ نہیں تھا۔

۵

غیبت

- ایک خطرناک حربہء عاجزانہ
- محرکاتِ غیبت
- غیبت کے خطرات
- غیبت کے انفرادی و اجتماعی مفسد
- دائرہ غیبت اور اس کے حدود
- غیبت کے مستثنیٰ موارد
- کھلا ہوا فاسق کون ہے اور اس کی غیبت کیوں جائز ہے؟

غیبت

ایک خطرناک حربہ عابراہ

زبان کے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا اور خطرناک گناہ جو معاشرہ میں بہت زیادہ رائج ہے وہ غیبت ہے۔ غیبت یعنی کسی کی مخفی کمزوریوں اور عیوب کو بیان کرنا کہ اگر وہ سُنے تو اسے تکلیف پہنچے۔ چلے یہ عیوب اور کمزوریاں دینی ہوں یا اخلاقی و سماجی، اس کے جسم و قیافہ سے متعلق ہوں یا اس کی رفتار و رفتار سے، اس کی ذات سے متعلق ہوں یا اس کے متعلق بیوی بچے، لباس و مکان وغیرہ سے۔

غیبت کے اہم ترین محرکات: چند چیزیں

۱۔ کینہ و انتقام
کینہ و انتقام کے وہ شعلے جو کسی کی طرف سے انسان کے سینوں میں بھڑکتے رہتے ہیں، اسے کم کرنے کا سب سے آسان طریقہ غیبت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسے ذلیل و رسوا کیا جائے۔

۲۔ حسد۔ حسد کرنے والا ہمیشہ محسوس کی نعمتوں کا زوال چاہتا ہے

تشیبہ

- کتابیہ لغت میں تشبیہ کا معنی ہے
- تشبیہ یعنی کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا
- تشبیہ کا معنی ہے کسی کو کسی اور سے تشبیہ کرنا

جب اس کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو غیبت کے ذریعے کو شمش کرتا ہے کہ اسے ذلیل و پست کرے اور اس طرح اپنے حسد کی گرمی کو کم کرے۔

۳۔ اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لئے

دوسروں کے عیوب کو ذکر کر کے اپنے عیب کو معمولی ظاہر کرتا ہے

۴۔ مذاق اڑانے کے لئے

اگرچہ دوسروں کا استہزاء اور مذاق اڑانے کے بہت سے محرک ہوتے ہیں اور یہ محرکات جب انسان کے اندر اپنی بنیادیں مستحکم بنا لیتے ہیں تو اس مقصد کی تکمیل کے لئے غیبت کو بھی وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

۵۔ تفریح

اکثر لوگ بغیر ان محرکات کے جن کا ذکر کیا گیا، صرف محض لوگوں کو گم کرنے کے لئے اور تفریح کی غرض سے دوسروں کے عیوب اور کمزوریوں کو بیان کرتے ہیں، کیونکہ لوگوں کی نظر میں غیبت سے زیادہ شیریں کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نہ صرف یہ لوگ چیل پیل اور تفریح سے لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو ہنسانے اور تفریح کے لئے وارد کرنے میں بھی انہیں کافی مزہ آتا ہے۔

۶۔ حس تحقیق و تجسس

یہ احساس انسان میں دوسرے احساسات سے محکم اور قوی تر پایا جاتا ہے جو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ لوگوں کو غیبت کے لئے آمادہ کیا جائے اور بعض لوگوں کو شاید اسی وجہ سے غیبت خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ دوسروں کے عیوب و اسرار کے تجسس اور تحقیق میں لذت محسوس کرتے ہیں اس لئے لوگوں کو حرص و طمع دلا کر اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کی غیبت کریں۔ اگرچہ ان محرکات کی طرف توجہ اس کے علاج اور معرفت کے لئے کافی مفید اور معاون ہے اور یہ بات

بھی قابل توجہ ہے کہ بسا اوقات عوام انسان میں بہت سادہ انداز میں رونما نہیں ہوتے کیونکہ انسان کا ضمیر خود اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے یہ اسباب اپنی اصل شکل و صورت بدل کر نہی عن المنکر خیر خواہی اور درس عبرت دینے کے انداز میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس طرح دوسروں کی غیبت بھی کرتے ہیں اور خیال خود ایک مقدس کام انجام دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کا محرک دراصل عوام مذکور میں سے کوئی ایک ہوتا ہے۔ انسان اپنی روح و ضمیر کو دھوکہ دینے کے لئے اور عذاب و سزائے خدا سے فرار کرنے کے لئے اسے دوسرا جامہ پہنا دیتا ہے اور اس کے اصل چہرے پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ غیبت کی یہ قسم اس کی تمام قسموں سے زیادہ خطرناک ہے اور اس سے نجات حاصل کرنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے۔

خطرات غیبت

اب اس گناہ کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث پیغمبر و ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے ارشادات ان کا تجزیہ اور غیبت کے فردی و اجتماعی مفاسد کی طرف قارئین کو توجہ کیا جاتا ہے باوجود اس کے کہ لوگ اس کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں اسلام نے اپنے بنیادی قوانین میں اس زندگی بخش اور روح پرور مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید اور روایات میں غیبت کے بارے میں بہت سخت تعبیریں ذکر کی گئی ہیں جن میں سے دس موارد کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اسلام کی نظر میں اس گناہ کی اہمیت واضح ہو جائے۔

۱۔ قرآن مجید صاف صاف غیبت سے روکتا ہے اور اسے ایک غیر انسانی فعل شمار کرتا ہے یعنی اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ آدم خوری وہ بھی اس نوعیت سے یعنی مردہ انسان کا گوشت کھانا شاید

ہی کسی انسان سے یہ فعل سرزد ہو اور یہ تعبیر صرف غیبت ہی کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اس تشبیہ کی علت بھی واضح ہے کیونکہ اسلامی نکتہ نظر سے ایک مسلمان کی عزت و آبرو اسی طرح محترم ہے جس طرح اس کا خون محترم ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے:

”کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرضہ“
”مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون، اس کا مال اور اس

کی آبرو“ لہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیبت مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیتی ہے یہ نکتہ بھی یہاں قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں پہلے بدگمانی سے روکا گیا ہے پھر تجسس سے اور اس کے بعد غیبت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

يا ايها الذين امنوا اجتنبوا كثيرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضاً ايحب احدكم ان ياكل لحم اخيه ميتا فكرهتموه واتقوا الله ان الله تواب الرحيم

(حجرات - ۱۲)

”اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے اجتناب کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور تجسس مت کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً اس سے نفرت کرتے ہو اور خدا سے ڈرو، خداوند عالم

توبہ قبول کرنے والا ہے اور مہربان ہے“

اور شاید اس ترتیب کی وجہ یہ ہو کہ انسان سب سے پہلے بدگمانی میں مبتلا ہوتا ہے اور یہی بدگمانی اسے تجسس پر آمادہ کرتی ہے اور تجسس کے بعد جب لوگوں کے پوشیدہ عیوب باخبر ہو جاتا ہے تو انھیں میان کر کے غیبت کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہذا بدگمانی اور تجسس غیبت کا مقدمہ اور سرچشمہ ہیں۔

غیبت انسان کے ساتھ سازگار نہیں

جیسا کہ تبراہ کی حدیث ہے: —————

خطبنا رسول اللہ، حتی استمع العوائق فی بیوتہا فقال: یا معشر من امن بلسانہ، ولم یومن بقلیہ، لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عورہم فانہ من تتبع عورۃ اخیه، تتبع اللہ عورۃ، ومن تتبع اللہ، عورۃ، یفضحہ، ولو فی جوف بیتہ، یہ ”برابر سے روایت ہے کہ پیغمبر نے ہمارے لئے اتنی بلند آواز میں خطبہ دیا کہ گھر کی لڑکیوں تک نے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ اے وہ لوگو! جو دل سے نہیں صرف زبان سے ایمان لائے ہو مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے پوشیدہ عیوب کے بارے میں تجسس سے کام نہ لو کیونکہ جو شخص اپنے دینی بھائیوں کے پوشیدہ عیوب کے بارے میں تجسس کرتا ہے خدا اس کے پوشیدہ عیوب کو آشکار کر کے اسے گھر کے اندر ہی رسوا کر دیتا ہے!“

لہ عورۃ: ہر وہ چیز جس کے تذکرہ سے شرم آئے۔

لہ کشف الريب، ايجار العلوم، محجة البیضاء

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت معلم نے یہ حدیث اس قدر بلند آواز میں فرمائی کہ گھروں کے اندر پردہ دار لڑکیوں تک نے سنا۔
غیبت اور ایمان کے درمیان تضاد کی وجہ شاید یہ ہو کہ ایمان کی اولین علامت مومن کے حق کی رعایت ہے اور غیبت اس کے منافی ہے۔

غیبت برائیوں کے آشکار کرنے کے مترادف ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:-

من قال فی مومن مراءتہ عیناہ وسمعتہ اذناہ
فہو من الذین قال اللہ عزوجل ان الذین
یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا الہم
عذاب الیم

”جو شخص کسی مومن کے بارے میں جو اس نے دیکھا یا سنا ہو بیان کرے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنین کی برائیوں کو آشکار کریں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

اس نکتہ کا سبب بھی واضح ہے کیونکہ مومنین کے پوشیدہ عیوب کو آشکار کرنا جبکہ عموماً یہ عیوب دینی امور سے متعلق ہوتے ہیں جس سے سننے والوں میں گناہ کی جرات پیدا ہوتی ہے اور یہ خود برائیوں کے شائع ہونے کا سبب ہے۔

غیبت کا فساد زنا سے شدید تر ہے

جناب جابر اور ابو سعید خدری نے اس مشہور و معروف روایت کو پیغمبر اکرم

سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

الغیبتۃ اشد من الزنا۔ غیبت زنا سے بدتر ہے۔“

اور بدتر ہونے کی وجہ بھی اسی روایت کے آخر میں مذکور ہے کہ زنا کرنے والا ممکن ہے کہ توبہ کر لے اور خدا سے معاف کر دے کیونکہ زنا الہی حقوق میں سے ہے برخلاف غیبت کے جو (حقوق الناس) لوگوں کا حق ہے لہذا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے اس وقت تک توبہ و استغفار بے فائدہ ہے۔

اور ممکن ہے کہ غیبت کے زنا سے شدید تر ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو غیبت کی وجہ سے باہمی اخلاق و محبت اور اتحاد و اخوت کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور اس سے معاشرہ کو عظیم نقصان پہنچتا ہے۔ (جس کی توضیح انشاء اللہ آگے آئے گی) حالانکہ زنا میں اور تمام مفسد کے باوجود یہ تاثیر نہیں ہے۔

غیبت عبادات کی قبولیت میں مانع ہے

معاذ سے روایت ہے کہ کبھی کبھی بندوں کے نیک اعمال آفتاب کی شعاعوں کی طرح چمکے ہوئے آسمان کی طرف بڑھتے ہیں لیکن انھیں پلٹا دیا جاتا ہے اور اس شخص کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور ایک فرشتہ اس وقت کہتا ہے:

امرئی ربی ان لا ادع عمل من یغتاب الناس
یتجاونرا الی ربی۔

”مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ کسی غیبت کرنے والے کے نیک

عمل کو اپنے پروردگار تک نہ جانے دوں۔“

اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو جیسا کہ متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے اور ایک عام حکم ہے کہ ان لوگوں کے اعمال خدا کے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں جن کی گردن پر

دوسروں کے حقوق ہیں اور غیبت کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ مومن کی حق تلفی اور اس کی ضرورت کا ضائع کرنا ہے۔

غیبت اسلامی اخوت کے خلاف

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لا تجاسدوا ولا تباغضوا ولا یغتب بعضکم بعضاً
وكونوا عباد الله اخوانا

”آپس میں بغض و حسد سے کام نہ لو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، اور اے خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو“

روایت کے آخری جملے سے پتہ چلتا ہے کہ حسد، عداوت اور غیبت کے مقابلہ میں خدا کی بندگی اور اسلامی اخوت ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ اخوت کی سب سے پہلی علامت اخلاص و محبت ہے جو غیبت کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ روایت میں اور دو عیوب کا ذکر شاید اس وجہ سے ہو کہ یہ دونوں غیبت کے اسباب میں سے ہیں کیونکہ حسد عموماً عداوت کا سبب بنتا ہے اور عداوت انسان کو غیبت کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

غیبت نیکیوں کو کھا جاتی ہے

بہت سی روایتیں اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں منجملہ امام جعفر صادق ۴ سے روایت ہے :-

الغیبة حرام علی کل مسلم وانھا لتاکل
الحسنات کما تاکل النار الحطب۔

”غیبت ہر مسلمان پر حرام ہے اور غیبت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ کوڑی کو“

دوسری روایت میں پیغمبر اکرم ارشاد فرماتے ہیں :-

من کانت لآخیه عندہ مظلماً فی عرض او مال
فلیستحھا منہ من قبل ان یاتی یوم لیس
ہناک دینار ولا درہم یوخذ من حسناتہ
فان لم یکن لہ حسنات اخذ من سیئات صاحبہ
فیزید علی سیئاتہ۔

”جس کی گردن پر کسی دینی بھائی کا حق ہو چاہے مال کی صورت میں ہو یا عزت سے متعلق اسے چاہیے کہ وہ اس کو راضی کرے قبل اس کے کہ وہ آجائے (روز محشر) کہ جس دن زمیناڑو گا، درہم۔ اس دن اس شخص کی نیکیوں کو اس حق کے عوض میں صاحب حق کی طرف منتقل کر دیا جائیگا اور اگر اچھائیاں اس کے نامہ اعمال میں ہیں ہی نہیں تو صاحب حق کے گناہ کم کر کے اس شخص کی طرف منتقل کر دیئے جائیں گے۔“

ممکن ہے اس حدیث کا مفہوم غیبت نیکیوں کو کھا جاتی ہے، یہی ہو کہ غیبت انسان کے عظیم ترین سرمایہ معنوی یعنی اس کی عزت اور سماجی وقار کو خاک میں ملا دیتی ہے اور اس حق کا جبران چونکہ مادی اعتبار سے ناممکن ہے اس لئے کہ خداوند روز محشر اسے ایک معنوی سرمایہ دے کر یعنی اس کی نیکیاں بڑھا کر یا گناہوں کو کم کر کے اس کی پوری فرماتا ہے۔ ان روایات سے اس بات کی مکمل تائید ہوتی ہے کہ غیبت بندوں کے حقوق میں سے ہے۔

غیبت عبادتوں کی منزل کو گھٹا دیتی ہے

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت وضو اور روزے کو باطل کر دیتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :-

الجلوس في المسجد انتظاراً للصلاة عبادة مللم
يحدث ففقیل یا رسول اللہ وما الحدت؟ قال
الاغتیاب۔

”مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا عبادت ہے جب تک
کوئی حدت صادر نہ ہو۔ سوال کیا گیا، یا حضرت حدت کیا ہے؟ فرمایا
غیبت۔!“

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں :-

ومن اغتاب مسلماً بطل صومه ونقض وضوئہ
”جو کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے اس کا وضو اور روزہ باطل

ہو جاتا ہے“

اس میں شاید یہ راز ہو کہ عبادت ان میں ایک حالت تقرب و معنویت پیدا کرتی ہے
اور جب انسان وضو یا روزے کی حالت میں اپنی زبان کو غیبت جیسے گناہ سے آلودہ
کر لیتا ہے تو وہ معنویت اور نورانیت کم ہو جاتی ہے اور انسان قرب پروردگار کی منزل
سے دور ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ روایت میں ناقص سے اسی امر کی طرف اشارہ ہو۔

غیبت انسان کو خدا سے علیحدہ اور شیطان قریب کرتی ہے

عمر بن مفضل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ :-

”من روی علی مومن روایۃ یرید بہا شینہ
وہدم مروتہ لیسقطہ من اعین الناس
اخرجه اللہ من ولایتہ الی ولایۃ الشیطان فلا
یقبلہ الشیطان“

”جو شخص کسی مومن کے بارے میں کوئی بات اس مقصد سے کہے
کہ لوگوں کی نظر میں اسے ذلیل اور سوا کرے خداوند عالم اسے اپنی سرپرستی
سے نکال کر شیطان کی سرپرستی میں دے دیتا ہے اور شیطان بھی اسے
قبول نہیں کرتا“

اگرچہ یہ روایت صرف غیبت سے محض نہیں ہے لیکن غیبت کو بھی شامل ہے کیونکہ عام
طور سے غیبت میں مقابل کو ذلیل و سوا کرنے کا قصد کسی نہ کسی عنوان سے ضرور مضمر ہوتا
ہے بلکہ غیبت کے خواص میں سے ہے جو معمولاً غیبت سے جدا نہیں ہوتا۔

اب آئیے آیات قرآنی کی روشنی میں ولایت کے معنی تلاش کے جائیں کہ کن معنی میں
یہ لفظ استعمال ہوئی ہے۔

خداوند عالم مومنین کی ہدایت و رہبری کا ذمہ دار ہے، انہیں تارکی و گمراہی سے
نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور غیبت کرنے والوں کی رہنمائی سے ہاتھ
کھینچ لیتا ہے کیونکہ ”ولی“ قرآن مجید میں رہبر، رہنما اور مددگار کے معنی میں استعمال
ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وماکان لہم من اولیاء من دون اللہ۔ (شوریٰ- ۳۶)

”خدا کے علاوہ ان کا کوئی یا اور مددگار نہیں ہے“

ذلت سے نجات دلانے والے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے :-

ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی

من الذل .

(اسراء - ۱۱)

" نہ اس کی مملکت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ذات سے

نجات دلائے

و لی گناہ بخشنے والے کے معنی میں بھی آیا ہے جیسے : —

انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین

(اعراف - ۱۵۵)

" تو ہمارا بخشنے والا ہے ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بہترین

بخشنے والا ہے "

اس بیان کے بعد یہ بات روشن ہو گئی کہ غیبت کرنے والے خدا کی ولایت سے خارج اور شیطان کی ولایت میں شامل ہونے کے بعد ان تمام فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے ہیں اور جملہ فلا یقبلہ الشیطان سے شاید یہ مراد ہو کہ شیطان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ ان کی سرپرستی و رہنمائی کر سکے، لہذا وہ بھی انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

غیبت کے بعض اثرات توبہ کے بعد بھی باقی رہتے ہیں

رہبران اسلام علیہم السلام سے روایت ہے کہ : —

اوحی اللہ عز و جل الی موسیٰ ابن عمران ان المغتاب

اذا تاب فهو اخر من یدخل الجنة وان لم یتب

فهو اول من یدخل النار

"خداوند عالم نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ

غیبت کرنے والا اگر توبہ کر لے تو سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا

جائے گا۔ اور اگر توبہ نہ کرے تو سب سے پہلے اسے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔"

ممکن ہے کہ حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہو کہ غیبت حق اللہ بھی ہے اور حق الناس بھی اور اس کا حق الناس ہونا لوگوں کے دوسرے تمام حقوق سے اہم ہے کیونکہ غیبت انہوں کے سرمایہ آبرو کو برباد کرنے والی ہے اور یہ ایسا سرمایہ معنوی ہے جس کا تدارک برخلاف مادی سرمایوں کے امکان سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیبت کرنے والے کو سب سے آخر میں نجات ملے گی۔ اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے کہ مسلمان کی اہانت کرنا سب سے بڑی سود خوری ہے جیسا کہ انس نے پیغمبر اکرم ص سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا : —

ان اربعی الربا عرض الرجل المسلم

" اہم ترین سود مسلمان کی آبرو دینری ہے "

غیبت کے انفرادی و اجتماعی مفسد

غیبت کے سماجی مفسد بہت اہم اور خطرناک ہیں۔

۱۔ اگر غیبت معاشرہ میں رائج ہو جائے تو اس کی وجہ سے سب سے بڑا اجتماعی

سرمایہ یعنی اتحاد و اخوت اور اخلاص و محبت کا وجود باقی نہیں رہتا، اور باہمی اعتماد و

اعتبار اور حسن ظن جو سماجی زندگی کی رُوح رواں ہے، اس کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں

کیونکہ غیبت کا رواج اس بات کا سبب بنتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی پوشیدہ

برائیوں اور کمزوریوں سے باخبر ہوں جبکہ عام طور سے سبھی ان کی کسی نہ کسی لمبی کاشار

ہوتے ہیں۔ ان برائیوں کا علم ہونے کے بعد معاشرہ کے اندر ایک برگمانی کا ماحول

سایہ لگن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سب ایک دوسرے سے بظن ہو کر باہمی تعاون

اور ہم کاری کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں جس کے نتیجے میں اجتماعی زندگی کے تمام فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان حالات سے دوچار ہو کر پستی اور منزل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ روایت:

لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تقتابوا وكونوا عباد الله
اخوانا۔ (آپس میں حسد مت کرو اور نہ دشمنی رکھو اور نہ ایک
دوسرے کی غیبت کرو بلکہ لے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن کے رہو)
جس کا ذکر پہلے گزر چکا، اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۲۔ غیبت اکثر و بیشتر لوگوں کے درمیان کینہ و عداوت اور فتنہ و فساد کی آگ
کو بھڑکا دیتی ہے کیونکہ پوشیدہ عیوب کا تعلق زیادہ تر دوسروں کے حقوق سے ہوتا ہے
اور ہوا دینے والوں کو لڑانے کے لئے ایک ثبوت فراہم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے
عداوت شدید اور خطرناک موڑ اختیار کر لیتی ہے۔

۳۔ غیبت لوگوں کے عزت و احترام کو
خاک میں ملا دیتی ہے

اور عزت و احترام کم ہو جانے کی وجہ سے انسان کی نظر میں گناہوں کی اہمیت
اور اس سے وحشت کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ اپنی عزت و وقار کو باقی
رکھنے کے لئے گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور اگر انجام بھی دیتے ہیں تو
مخفی طریقہ سے۔ لیکن جب غیبت ان کی بُرائیوں کو آشکار کر دیتی ہے تو وہ بے پردہ
ہو کر اس گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس طرح غیبت معاشرہ میں بُرائیوں اور
فساد کے اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

۴۔ غیبت سماج کے اقتصادیات پر بھی کافی اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ اقتصادیا
مسائل کا دار و مدار باہمی اعتماد و اعتبار پر ہے اور یہ باہمی اعتبار و اعتماد دوسرے

مالی سرمایوں سے کہیں زیادہ سماجی اقتصاد اور معاشی ترقی کے لئے موثر ہے اور بغیر
اس کے معاشرہ اقتصادی اعتبار سے بجائے ترقی کے تنزلی اور پستی کی طرف بڑھنے لگتا
ہے۔ یہ تھے غیبت کے اجتماعی مفاسد۔

غیبت کے اثرات فردی زندگی پر

غیبت انفرادی حیثیت سے دوسروں کے حقوق پر کھلا ہوا ظلم اور تجاوز ہے اور
وہ تمام اخلاقی و انسانی نقائص جو ایک ظالم میں ظلم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، غیبت
کرنے والے کے لئے بھی ہیں اس کے علاوہ چونکہ غیبت کا سرچشمہ بعض اخلاقی صفات
رذیلہ ہیں اس لئے غیبت کی تکرار ان میں ان صفات رذیلہ کی تقویت کا سبب بنتی
ہے۔ اس طرح غیبت انسان کو انسانیت سے گرانے کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی
کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے جیسا کہ گزشتہ آیات و روایات میں ان حقائق پر اچھی طرح
روشنی ڈالی گئی ہے

دائرہ غیبت اور اسکے حدود

۱۔ غیبت کی قسمیں

ابتداءً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیبت زبان سے دوسروں کے پوشیدہ عیوب
کے اظہار کا نام ہے لیکن اس کے اصل مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ بات واضح
ہو جاتی ہے کہ غیبت علم اخلاق کے اعتبار سے ایک عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے
یعنی ہر وہ طریقہ جس سے کسی کے پوشیدہ عیوب کا اظہار ہو، چاہے زبان کے ذریعہ ہو
یا قلم کے ذریعہ یا قلم سے یا اشارہ اور نقل سے، اسے غیبت شمار کیا جائے گا جیسا کہ

پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ ایک عورت پستہ قد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، جب وہ اٹھ کر جانے لگی تو حضرت عائشہ نے اس کے قد کی طرف اشارہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس عورت کی غیبت کی بلکہ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جناب عائشہ نے ایک عورت کی نقل کرنی شروع کی آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دوسروں کے افکار و نظریات پر تنقید و تبصرہ بھی اس انداز میں نہ ہونا چاہیے جو غیبت کا مصداق بن جائے حالانکہ لوگ زیادہ تر دوسروں کی عبارت پر اس انداز میں تنقید و اعتراض کرتے ہیں کہ واضح طور پر اس میں غیبت، ذمت، تحقیر و توہین یا استہزاء کا پہلو پایا جاتا ہے۔ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مطلب بالکل باطل ہے یا مضحکہ انگیز ہے یا اس میں بچپنا ہے یا یہ طلب بالکل غیر عاقلانہ ہے۔ اگر اس نظریہ کا مالک نامعلوم نہیں ہے یا ایسا شخص نہیں ہے جس کی غیبت اور تحقیر جائز ہے تو یہ ساری عباراتیں غیبت کا مصداق قرار پاتی ہیں اور اس طرح کی تنقید حرام اور ناجائز ہے۔

اسی طرح کبھی کوئی شخص کناہ میں کوئی بات کہتا ہے لیکن بعض قرآن ایسے ہوتے ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی مراد کون شخص ہے یہ بھی غیبت ہے جیسے یوں کہا جائے کہ آج میں ایک شخص کے درس میں تھا وہ یوں کہ رہا تھا جبکہ سننے والے کو معلوم ہے کہ وہ کس کے درس میں گیا تھا۔

۲۔ غیبت دوسرے گناہوں کے ساتھ

کبھی کبھی یہ بدترین گناہ دوسرے بعض گناہوں کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک نئی

شکل میں رونما ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی مقدس اور مذہبی شکل و صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے بعض لوگ غیبت سے پرہیز کرنے کے انداز میں کہتے ہیں کہ تو صبح دوں کہیں غیبت نہ ہو جائے یا اس سے بڑھ کر کہتے ہیں کہ افسوس کہ شرع نے ہماری زبان سے دی ہے یا یوں کہ شرع اجازت نہیں دیتی ورنہ بہت کچھ کہتا۔ یہ بھی غیبت کا ایک انداز ہے کہ کناہیۃً انسان غیبت کا مرتکب بھی ہوتا ہے اور موضوع کو مبہم رکھ کے مقابل کی شخصیت کو مزید مستہم بنا دیتا ہے۔

اور اس طرح موضوع کو واقعیت سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل بنا دیتا ہے۔ ایسے لوگ ایک ہی وقت میں دو خطرناک گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں ایک غیبت اور دوسرے ریاکاری۔

ایسے ہی بعض لوگ ہمدردی اور دل سوزی کے انداز میں اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں بے چارے فلاں شخص کے قدم میں لغزش ہوگئی اور فلاں گناہ کا مرتکب ہو گیا۔ خدا سے بخشنے۔ اس میں غیبت کے ساتھ ساتھ ریاکاری بھی شامل ہے۔

اسی طرح غیبت کے ساتھ کبھی کبھی خود ستانی شامل ہوتی ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ الحمد للہ میں فلاں کی طرح شراب وغیرہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ واقعی اگر خدا انسان کو محفوظ نہ رکھے تو محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔ اس طرح انسان غیبت کے ساتھ ریاکاری اور خود ستانی جیسے گناہوں کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔

یہ کہہ کر بھی لوگ غیبت کو جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں ان برائیوں کا ذکر اس شخص کے سامنے بھی کر چکا ہوں، یا اس کے سامنے بھی کہہ سکتا ہوں۔ اس طرح یہ بے بنیاد استدلال پیش کر کے غیبت کی حرمت کو اور شدید تر بنا دیتے ہیں۔

۳۔ غِیْبَتِ لُؤْکُوں کے حَقُّوقِ مِیْنِ سے ھے

غیبت کی جو تفسیر ابتداً بحث میں کی گئی ہے اس کے اعتبار سے غیبت کا حق الناس ہونا بالکل واضح ہے۔

کیونکہ اولاً غیبت کے ذریعہ انسان کی شخصیت اور اس کے احترام و عزت میں کمی واقع ہوتی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ان چیزوں کی اہمیت شرعاً و عقلاً مال سے کم نہیں ہے۔

دوسرے: غیبت کو قرآن کریم نے مومن بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے بھی یہ بات روشن ہوتی ہے کہ غیبت مصداق ظلم ہے جس سے حق ثابت ہوتا ہے۔ (سورہ حجرات)

تیسرے: بہت سی روایات میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے جیسے وہ روایت جس میں ہے کہ غیبت کی وجہ سے غیبت کرنے والوں کی نیکیاں اس شخص کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں جس کی اس نے غیبت کی ہے اسی طرح وہ روایت کہ غیبت کرنے والا اس وقت تک نہیں بخشا جائے گا جب تک وہ شخص نہ معاف کر دے جس کی غیبت کی ہے۔

اسی طرح نبیؐ کی روایت ہے: کفارة من استغثبتنا ان تستغفر لنا (غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے استغفار کرے)۔ اور وہ روایات جو ترک غیبت کو مومن کے حقوق میں سے شمار کرتی ہیں۔

غیبت ظلم کا بہت ہی واضح مصداق ہے جو بغیر طرف کی رضایت کے قابل معافی نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیبت کا کفارہ صرف توبہ و استغفار نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی راستہ رضایت کا ممکن نہ ہو یا غیبت سے عملی طور پر اس شخص کی عزت و حیثیت پر کوئی حروف نہ آیا ہو تو ممکن ہے کہ صرف

استغفار کافی ہو۔

غیبت کے مستثنیٰ موارد

فقہاء و علماء نے اخلاق اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ بعض مقامات پر غیبت جائز ہو جاتی ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ موارد کون سے ہیں۔ یہ اختلافات کہیں کہیں صرف مثالوں اور مصداق میں ہیں اور کہیں کہیں واقعی اور معنوی اعتبار سے۔ لیکن جو دلیلوں اور مدارک سے ثابت ہیں وہ صرف دو مورد ہیں جہاں غیبت جائز ہے۔

الف۔ وہ موارد جہاں غیبت کے نصاب اس کے مفسدہ سے اہم اور قوی ہوں اور اس کے مصداق بہت ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) مشورہ کے موقع پر

جیسے کوئی چاہتا ہے دوبارہ کوئی معاملہ کرے یا کسی کو شریک بنائے، یا شادی کے لئے مشورہ یا تحقیق چاہتا ہے ان مقامات پر بلاشبہ اس شخص کے وہ تمام عیوب جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہے اسے بیان کیا جاسکتا ہے اور مشورہ طلب کرنے والے کو تمام احتمالی خطروں اور نقصانات سے نجات دینا چاہئے۔

(۲) مبراہی سے روکنے (نہی عن المنکر) کے لئے بھی غیبت

جائز ہے۔

(۳) کسی برحق شخص کی بدعت کو رفع کرنے کے لئے

(۴) کسی مسلمان کو خطرہ یا نقصان سے آگاہ کرنے کے لئے اگرچہ اس نے

مشورہ بھی نہ طلب کیا ہو۔

(۵) طلب حق و انصاف اور دفع ظلم کے لئے
اور بالعموم ان تمام مقامات پر جہاں محض عیوب کے اظہار میں شرعاً مفسدہ سے
زیادہ مصلحت ہو، ایسے مقامات پر مصلحت کی اہمیت کی بنا پر غیبت جائز ہوتی ہے
ان موارد کے مستثنیٰ ہونے کا دلیل مکمل واضح ہے کیونکہ یہاں پر عقلی دلیل
قاعدہ اہم اور ہم بالکل واضح ہے اس کے علاوہ آیات و روایات میں بھی ان بعض موارد
کے لئے اشارے موجود ہیں جیسے طلب حق و انصاف اور دفع ظلم اور کسی بدعت کو دفع
کرنے کے لئے۔

لیکن جس نکتہ کا ذکر علم اخلاق کی رو سے یہاں ضروری ہے وہ یہ کہ اس بات کی
طرف خاص توجہ ہونی چاہئے کہ زیادہ تر لغزش و انحراف انھیں استثنائات سے غلط
استفادہ کی بنا پر ہوتی ہے یا ان کے حدود کی تعیین میں غفلت یا اشتباہ کی بنا پر
ان ان لغزش کا شکار ہو جاتا ہے۔

کیونکہ سب لوگ کسی قانون کی سرکشی خلاف ورزی یا گناہ کے ارتکاب کی
جرات نہیں رکھتے بلکہ اکثر لوگ اپنے مقاصد استثنائات کی آڑ میں حاصل کرنا
چاہتے ہیں اس طرح اکثر موارد پر انسان خود اپنے ضمیر کو اس طرح دھوکہ دیتا ہے
اور ملازمت نفس سے فراہ کرنے کے لئے ان موارد سے غلط فائدہ حاصل کرتا ہے
یہ ضمیر نا آگاہ اور ضمیر آگاہ کے درمیان ٹکراؤ کے موارد میں سے ایک مورد ہے جہاں
ضمیر نا آگاہ ضمیر آگاہ پر کامیابی حاصل کرتا ہے۔

لہذا چاہئے کہ بہت دقت کے ساتھ ان موارد پر غیبت کے مصاح اور مفاسد کا
تمام جہات سے جائزہ لینے کے بعد بغیر کسی تعصب اور جنہ داری کے صاف صاف
غیبت کے مصاح و مفاسد کا موازنہ کر کے اگر غیبت کے مصاح مفاسد پر غالب ہوں
تو اس کو مقدم کرے اور اس بہانے سے اپنے کو خطرناک غیبیوں میں ملوث کر کے

گناہ گار نہ ہو۔

(ب) وہ موارد جہاں بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی غیبت جائز ہے۔
یہ موارد ان لوگوں سے مخصوص ہیں جو علی الاعلان فسق انجام دیتے ہیں کیونکہ
مسئلہ طلب انصاف و دفع ظلم کو اگرچہ اس قسم میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ یہ مورد
اہم اور ہم کامصداق ہے کیونکہ شرعاً ظالم سے حق دلانا اور مظلوم کی حمایت میں
جو مصلحت ہے وہ غیبت کے مفسدہ سے اہم ہے۔

اس موضوع کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل عقل کے علاوہ متعدد روایات بھی
ہیں جو یقین سے منقول ہیں جیسے:

(۱) آنحضرت صلعم سے روایت ہے: ثلثہ لیس لہم حرمتہ:
صاحب ہوی مبتدع والامام الجائر والفسق المعلن
بفسقہ علیہ

" تین طرح کے لوگوں کے لئے احترام نہیں ہے (۱) شخص بدعت گزار
(۲) ظالم حکمران (۳) اعلانیہ فسق انجام دینے والا۔
بعض دوسری روایتوں میں اس موضوع کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ثلثۃ لا غیبت لہم صاحب الہوی والفسق
المعلن بفسقہ والامام الجائر
" تین طرح کے لوگوں کی غیبت حرام نہیں ہے (۱) شخص بدعت گزار،
(۲) اعلانیہ معصیت کرنے والا (۳) ظالم حکمران "

لہ مکاسب مرحوم شیخ
تہ احیاء العلوم

یہ روایت بھی اس شخص علی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے :

(۲) لیس لفاسق غیباً لہ " فاسق کے لیے غیبت نہیں ہے
یعنی حرام نہیں ہے)۔

(۳) یہ بھی روایت ہے : من القی جلیاب الحیا فلا غیبۃ لہ
جو شخص حیار کے پردہ کو چاک کر دے اس کے لیے غیبت نہیں ہے (یعنی حرام
نہیں ہے)۔

(۴) وہ بہت سی روایات جو وسائل الشیعہ میں عدالت کے بارے میں مذکور
ہیں ان میں سے یہ روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہے :-

من عامل الناس فلم یظلمہم و حدتہم
فلم ینکذبہم و واعدہم فلم یخلفہم کان
من حرمت غیبۃ و کملت مروءتہ و ظهر
عدلہ و وجب اخوتہ - (وسائل الشیعہ)

" جو شخص معاملات میں لوگوں کے ساتھ ظلم نہ کرے اور
لوگوں سے بھوٹ نہ بولے اور وعدہ خلافی نہ کرے وہ ان لوگوں میں
ہے جس کی غیبت حرام ہے اور شخصیت کامل اور اس کی عدالت
واضح اور آشکار ہے، اس کے ساتھ برادری کا برتاؤ واجب ہے۔"

یہاں چند موضوعات کی وضاحت کرنی ضروری ہے :

(الف) یہاں فاسق کا استثناء تخصیصاً اور اس موضوع سے خارج ہونے کے

لہ الحجۃ البیضاء ج ۵ ص ۲۶۲

۱۵ اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے ۔

اعتبار سے ہے (یعنی جو شخص اعلانیہ گناہ انجام دیتا ہے اگر اس کی
غیبت کی جائے تو وہ رنجیدہ نہیں ہوتا، یا وہ موضوع اس کے لیے مخفی نہیں
ہوتا کہ اس کا ذکر غیبت قرار پائے) یا یہ کہ غیبت تو ہے لیکن اس مورد کو
مستثنیٰ کر دیا گیا ہے ؟

(ب) فاسق کی غیبت مخصوص ہے انہیں گناہوں سے جن کو وہ علی الاعلان انجام
دیتا ہے یا تمام موارد میں جائز ہے ؟

(ج) اگر کوئی شخص ایک مقام پر اعلانیہ فاسق ہے لیکن دوسرا جگہ اس کا فسق
مخفی ہے تو اس کی غیبت دوسری جگہ بھی جائز ہے ؟

(د) اعلانیہ فاسق کی غیبت کے جواز کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں ؟
ان تمام سوالات کا جواب اصل نکتہ جواز کی طرف توجہ سے حاصل
ہو جاتا ہے ۔

جو بات احادیث بالا سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ شخص جو اعلانیہ فاسق
ہے اس کا احترام نہیں ہے (وہی احترام جس کی بنا پر اس کی غیبت حرام ہے)
دوسرے لفظوں میں یہ لوگ اور ظالم و بدعتی افراد معاشرہ میں محترم
نہیں ہیں اور ان کی توہین و بے احترامی حرام نہیں ہے ۔ لہذا ان لوگوں کی غیبت
سے بچنا اور ان کی آبرو کا تحفظ ضروری نہیں ہے ۔

اگر ہم احادیث مذکور سے یہ استفادہ کریں جیسا کہ روایات میں " لا غیبۃ
لہ ولا حرمتاً لہ کی تعبیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے ۔ سوالات بالا کا جواب
خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور مزید توضیح کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اصولی
طور پر ایسے افراد کے لیے غیبت کی عقلی و نقلی دلیلیں شامل نہیں ہیں لیکن

س بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ متجاہر یعنی کھلے ہوئے ناسق سے مراد وہ شخص ہے جس نے حیا کے پردہ کو بالکل چاک کر دیا ہو اور گناہوں کے مقابلہ میں جری اور جسور ہو چکا ہو۔ اس بنا پر وہ تمام لوگ جو کسی سبب سے کوئی ایک گناہ اعلیٰ انجام دیتے ہیں وہ مراد نہیں ہیں اور ایسے لوگوں کی غیبت صرف اسی مورد کے لئے جائز ہے جسے وہ لوگ اعلیٰ انجام دیتے ہیں۔

(حصہ اول تمام شد)

مُرَاسَلَاتِی کُورس

روزمرہ کے نئے نئے مسائل نے جدید نسل اور جدید ذہن کو بہت زیادہ متاثر کیا، اور اس سے سکون و اطمینان کی دولت سلب کر لی ہے۔

نُورِ اِسْلَام

نے جدید ذہن اور اس کے مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے "دینی مراسلاتی کورس" کا سلسلہ اُردو اور ہندی میں شروع کیا ہے جس میں مسائل اچھوتے، دل نشین اور اطمینان بخش انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

اپنا نام اور مکمل پتہ ارسال کر کے اس سلسلے سے آپ بلا قیمت استفادہ کر سکتے ہیں۔

کورس مکمل کرنے پر ادارہ نور اسلام ایک توصیفی سند بھی پیش کرتا ہے۔

ہمہ مدار پتہ

نور اسلام، امامبارہ - فیض آباد، یو۔ پی

۲۲۲۰۰۱

دیگر مطبوعات

- ۵/- _____ الحج
- ۵/- _____ رُئیہ بازیچہ بہار
- ۱۵/- _____ کویلا شتاسی
- ۵/- _____ امام زین العابدین علیہ السلام
- ۵/- _____ نظام اسلام
- ۴/- _____ امام علی رضا علیہ السلام
- ۲۵/- _____ اصول دین
- ۱/۵۔ _____ امام محمد باقر علیہ السلام
- ۸/- _____ فلسفہ انتظار (مدیر اڈیشن)
- ۲۲/- _____ تفسیر رموز التزیل حصہ اول
- ۵/- _____ بیسویں صدق میں اسلامی تحریکیں
- ۴/- _____ امام محمد تقی علیہ السلام
- ۵/- _____ دین و دیانت
- ۳/- _____ امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام
- ۵/- _____ حکایات آخرت
- ۵/- _____ امام جعفر صادق علیہ السلام
- ۱۰/- _____ زندگی اخلاق کے مسائل میں
- (زیر طبع) _____ حضرت علی علیہ السلام
- ۲۰/- _____ استقامت حجت
- (زیر طبع) _____ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
- (") _____ دھرم کے مولیٰ تتو (اصول دین ہندی)
- " _____ امام علی نقی علیہ السلام
- " _____ حضرات حسنین علیہم السلام

Rs. 10.